لیلۃ النصف من شعبان

(کیا ۱۵ شعبان کی فضیلت ماننا بدعت ہے؟)

تحقیق وتحریر

فیصل خان رضوی

فہرست



ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

15 شعبان کی فضیلت واہمیت اپنی جگہ مسلّمہ ہے، اس مسئلہ میں مسلک اہل سنت کے دلائلِ قاھرہ قرآن وسنت کی روشنی میں نہایت قوی ہیں کہ اس کو مانے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ مگر مخالفین کے لایعنی اعتراضات سیدھے سادھے عوام الناس کو ذہنی الجھن میں ڈال دیتے ہیں۔ عوام الناس اپنی اس ذہنی الجھن کو سلجھانے کے لیے مختلف وسائل کا استعمال کرتے ہیں!

اول: چونکہ ان کے پاس بذات خود دلائل نہیں ہوتے لہٰذا مخالفین کے اعتراض کو سن کر فوراً اُن کا عقیدہ یا مسلک اپنا لیتے ہیں تا کہ ان پر اعتراض کرنے والوں کا کوئی اعتراض نہ رہے۔ اور ان کو بدعتی کا طعنہ سننے کو نہ ملے۔

دوم: کچھ لوگ اسی الجھن کو سلجھانے اور اعتراضات کے جوابات لینے کے لیے علماء کرام سے رابطہ کرتے ہیں۔ مگر ان کو یہاں بھی مختلف صورتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کچھ علماء کرام اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ ملاقات کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔

۲۔ کچھ علماء کرام سے اگر رابطہ ہو بھی جائے تو ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ عوام الناس کو سمجھانے کے لیے اپنا قیمتی وقت دے سکیں۔

۳۔ کچھ علماء کرام کے پاس اگر وقت ہو بھی تو خود ان کو اس موضوع پر اتنے دلائل نہیں ملتے کہ وہ عوام کو سمجھا سکیں۔

۴۔ کچھ علماء کرام کے پاس اگر جائیں تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ فروعی مسئلہ ہے، اصل

اختلاف توعقائد کا ہے۔اور متعلقہ موضوع پر کلام کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔

اب ان تمام صورتوں میں ایک عام آدمی اتنا لاچار ہوجاتا ہے کہ وہ صرف ایک مسئلہ پر تسلی بخش جواب نہ ملنے پر اپنا مسلک اور عقیدہ ہی چھوڑ دیتا ہے۔

اس صورت حال میں ایک طرف عوام الناس ہیں اور دوسری طرف علماء کرام۔ میری ان دونوں سے درخواست یہ ہے کہ وہ چند تجاویز پر غور کریں۔

موجودہ علماء کرام سے دست بستہ التجا ہے کہ کسی کا عقیدہ خراب کرانے سے بہتر ہے کہ آپ اپنا کچھ قیمتی وقت عوام الناس کو دیں۔ اگر خود کسی خاص موضوع پر مطالعہ نہیں ہے تو پہلے خود مطالعہ کرلیں پھر تسلی بخش جواب دیں۔ وگرنہ کسی اچھے یا اس موضوع پر ماہر عالم سے رابطہ کرائیں۔ یہ علماء کرام کی اولین ذمہ داری ہونی چاہیے کیونکہ علماء کرام کی اس کوشش سے کوئی صحیح العقیدہ شخص بدعقیدہ ہونے سے بچ سکتا ہے۔

عوام الناس سے التجا ہے کہ جب کسی عالم سے وقت نہ ملے یا تسلی بخش جواب نہ ملے تو فوراً اپنا عقیدہ متزلزل نہ کریں بلکہ جید اور قابل علماء کرام سے رابطہ کرنے کی کوشش جاری رکھیں اور تسلی سے جوابات سن کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ ہم کو مسلک حقہ پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

راقم کو ایک صاحب کا میسیج موصول ہوا کہ کچھ لوگ شعبان کی فضیلت کے منکر ہیں اور اس پر اعتراضات کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی کوئی مسئلہ نہیں، آپ اطمینان رکھیں، معاندین کا جو اعتراض ہوگا، راقم کی طرف سے انشاء اللہ اس کا تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔

ابتداء میں چند نام نہاد محققین نے کچھ اعتراضات کیے اور میری طرف سے تفصیلی جوابات ملنے پر لاجواب ہوکر اپنے علماء اور شیوخ الحدیث حضرات سے رجوع کیا اور ان سے رہنمائی لے کر دوبارہ معترضین کی صف میں شامل ہو گئے بعد ازاں یہ علماء وشیوخ الحدیث حضرات براہ راست اس علمی مذاکرہ میں شامل ہوئے تو راقم کی طرف سے ان تمام معترضین کی بھرپور انداز میں گوشمالی کی گئی کہ پھر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔

اس کتاب کی ترتیب کچھ یوں ہوگی!!

باب اول: حدیث صحیح

اس باب میں صحیح روایت جو کہ اصول حدیث اور اصول جرح وتعدیل کی روشنی میں ہوگی۔

باب دوم: احادیث حسن وضعیف

اس باب میں حسن احادیث شامل ہونگی، یہ باب ۴ وجوہات کی بنا پر قابل حجت ہے۔

1۔ یہ باب ان احباب پر بھی حجت ہوگا جو کہ ضعیف+ضعیف=حسن اور ضعیف روایت کے متعدد اسانید اور شواہد کی بنا پر حدیث حسن ماننے کے قائل ہیں۔ جیسے کہ غیر مقلدین حضرات میں جناب ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ

2- اور یہ باب ان لوگوں پر بھی حجت ہوگا جو کہ صحیح روایت کے شاہد کے طور پر ضعیف حدیث کے حسن ہونے کے قائل ہیں۔

جیسا کہ غیر مقلدین حضرات میں سے زبیر علی زئی اور انکے حوارین وغیرہ۔ کیونکہ یہ گروہ ضعیف احادیث کو بطور شاہد یا متابعت صحیح روایت کی روشنی میں قابل احتجاج یا حجت مانتے ہیں۔ جیسا کہ زبیر علی زئی کی کتابیں اور رسائل شاہد ہیں۔

اور اس باب میں اگر تمام روایات کو ضعیف+ضعیف=ضعیف، کے اصول کے تحت ضعیف مان بھی لیا جائے تو پھر بھی ان کے بیان کردہ اصول کے تحت قابل احتجاج ہونگی کیونکہ باب اول میں صحیح حدیث موجود ہے، جس کا انکار اس تحقیق کو ملاحظہ کرنے کے بعد کوئی منکر حدیث متعصب ہی کرسکتا ہے۔

3- یہ باب ان محققین کے لئے بھی حجت ہوگا کہ جو کہ ضعیف روایت کو تابعین کے صحیح اقوال کی روشنی میں قبول کرنے کے قائل ہیں۔ اگر اس باب کی تمام روایات کو بالفرض ضعیف مان بھی لیا جائے تو باب سوم میں اسانید صحیحہ کے ساتھ اقوال تابعین موجود ہیں۔

4- اور یہ باب ان مخالفین پر بھی حجت ہے کہ ضعیف احادیث کو مستحبات یا فضائل اعمال میں پیش کرنے کے اصول کو مانتے بھی ہیں اور اپنی کتاب میں پیش بھی کرتے ہیں۔ اور فضائل میں

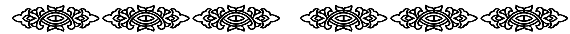
ضعیف احادیث کے حجت ہونے کا مذہب جمہور علماء کرام ومحدثین کا ہے۔تفصیل اصول کی کتاب یا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں دیکھیں جاسکتیں ہیں۔

باب سوم: تابعین کی صحیح روایات

یہ باب ان تمام مخالفین پر حجت ہے جو کہ خیر القرون میں کسی عمل کے ہونے کو بدعت کے زمرہ میں شمار نہیں کرتے۔میری تحقیق کے مطابق جو لوگ ۱۵ شعبان کے فضائل کے منکر ہیں اور اس کو بدعت کہتے ہیں وہ بھی خیر القرون میں کسی فعل کو بدعت نہیں مانتے تو پھر تابعین کے اقوال صحیحہ کے بعد ۱۵ شعبان کو ضعیف کہنا کیسے ممکن ہے۔اگر اپنے بیان کردہ اصولوں پر ہی قائم نہیں رہنا تو پھر تو گمراہی کے سواء کچھ بھی نہیں۔اس باب میں ان مخالفین کی تحریریں بھی بطور نمونہ بحوالہ پیش کی جائیں گی جو کہ خیر القرون یا کسی مجتہد کے قول کی وجہ سے کسی عمل یا فعل کو بدعت نہیں کہتے۔

امید ہے کہ قارئین کرام کو مسلکی تعصب وعناد سے ہٹ کر ایک منفرد تحقیق پڑھنے کو ملے گی۔نتیجہ پڑھنے والوں پر ہی چھوڑنا بہتر ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔[آمین]

نوٹ: اگر اس کتاب میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو تو ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ تصحیح کی جاسکے۔راقم نے اپنی دانست اور علم کے مطابق حوالہ جات اور اکابرین کے اقوال نیک نیتی اور سچائی پر دیے ہیں۔کسی غلطی کا ہونا تو ممکن ہے مگر کسی قسم کی خیانت یا دھوکا یا جھوٹ ہونے کی بنا پر نہیں۔اللہ تعالیٰ جھوٹ اور خیانت کے تہمت لگانے والوں کی شر سے محفوظ فرمائے۔آمین



لیلة النصف من شعبان

(کیا ۱۵ شعبان کی فضیلت ماننا بدعت ہے؟)

درج ذیل صفحات میں ۱۵ شعبان کی فضیلت پر ہونے والے مذاکرہ کے دوران پیش آمدہ اہم علمی نکات قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں۔

حدیث نمبر(1)

یہ وہ رات ہے، جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أخبرنا محمد بن المعافى العابد بصيدا وابن قتيبة وغيره قالوا: حدثنا هشام بن خالد الأزرق قال حدثنا أبو خليد عتبة بن حماد عن الأوزاعي وابن ثوبان عن أبيه عن مكحول عن مالك بن يخامر عن معاذ بن جبل عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم قال: يَطَّلِعُ اللهُ إِلَى خَلْقِهِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ.

عن مُعاذ بنِ جبلٍ عن النبيِّ ﷺ قال: يَطَّلِعُ اللهُ إِلَى خَلْقِهِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ، إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔

تخریج:۔

(أخرجه ابن حبان في الصحيح ١٢/٤٨١ (٥٦٦٥) ،والطبرانى فى مسند الشاميين ١/١ ٢٨ (٢٠٣)،وفي الكبير ٢٠/١٠٨ (٢١٥)،وفي الأوسط ٧/٢٨ (٦٧٧٦) ، و في مسند الشاميين ١/١٢٩_١٣٠ (٢٠٣_٢٠٥)،و(٣٥٧٠)،وابن أبي عاصم في السنة ٢٢/١ ٤ (٥١٢)،، والشجري في أمالي الخميسية (١٣٧٩_١٥٢٥_١٨٨١)،وابن أبي حاتم في العلل (١٩٦٨)، والدارقطني في العلل ٦/٥٠،وفي كتاب النزول ١٥٨ (٧٧)، و أبو نعيم في حلية الأولياء ٥/١٩١،والبيهقي في شعب الايمان ٥/٣٦٠(٣٥٥٢)،وفي فضائل الأوقات ١١٩_١٢٠(٢٢) وابن عساكر في تاريخه

۳۸/۲۳۵، و۷/۹۷/۵۴، وأبو الحسن القزويني في جزء فيه مجالس من أماليه (۲۰)[ق]، والمقدسيي في أحاديث الجماعيلي (۲۵)[ق]، والجوهري في أماليه (۷)[ق]، وغیرہم۔

ترجمہ:۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس مشرک اور کینہ پرور کے سوا ہر ایک کی مغفرت فرما دیتا ہے۔‘‘

قال الهيثمی فی مجمع الزوائد ۸/۶۵ :رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط ورجالهما ثقات۔ ’’یعنی امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو معجم کبیر اور اوسط میں روایت کیا اور دونوں کے رجال (راوی) ثقہ ہیں‘‘۔

غیر مقلدین کے محدث ناصر الدین البانی نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ’’مكحول لم يلق مالك بن يخامر ‘‘۔نقل کرنے کے بعد لکھا: ’’قلت : ولولا ذلک لكان الاسناد حسنا، فان رجاله موثوقون، وقال الهيثمی فی مجمع الزوائد ۸/۶۵: رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط ورجالهما ثقات۔(السلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ ۳/۱۳۵ (۱۱۴۴)

یہی البانی ’’صحیح موارد الظمان الی زوائد ابن حبان ۲/ ۲۶۳(۱۶۶۲)‘‘ میں لکھتے ہیں: ’’حسن‘‘۔(التعلیق الرغیب ۳/ ۲۸۲ و۲۸۳، الصحیحۃ (۱۱۴۴)

یہی البانی ’’صحیح الترغیب والترھیب ،،(۱۰۲۶)(۲۷۶۷)‘‘ میں کہتے ہیں ’’حسن صحیح‘‘۔

اور شعیب الارناؤط نے لکھا: ’’حديث صحيح بشواهده رجاله ثقات إلا أن فيه انقطاعا، مكحول لم يلق مالک بن يخامر ‘‘۔آگے دوسری روایات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ’’وهذه الشواهد وان كان فی كل واحد منهما مقال تقوی حديث الباب۔(صحیح ابن حبان ۱۲ /۴۸۱۔۴۸۲)

سند کی تحقیق:

اس سند کے راویوں کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

1۔محمد بن المعافی هو ابن أبي حنظلة بن أحمد بن بشير بن أبي كريمة، أبو عبد

الله العابد،

حافظ ابن حبان نے کہا: " كتبنا عنه أشياء مستقيمة". ثقاته 9/ 155

2-شام بن خالد الازرق

امام ابوحاتم نے کہا :صدوق [الجرح والتعدیل:9/الترجمۃ 235]

امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا: تاب "الثقات" 9/ 233

3۔أبو خُلَيْد عتبة بن حماد

امام أبو حاتم نے کہا: شیخ

امام أبو علی النیسابوري والخطیب بغدادی نے کہا: ثقہ

امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا۔[تہذیب التہذیب 7/95]

4- الأَوْزَاعِيُّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بنُ عَمْرِوبنِ يُحْمَدَ

علامہ ذہبی نے فرمایا: شَيْخُ الإِسْلاَمِ، وَعَالِمُ أَهْلِ الشَّامِ، [سیر أعلام النبلاء، رقم 48]

اس روایت کو اوزاعی کے ساتھ ایک اور راوی ابن ثوبان عن ابیہ سے بھی روایت نقل کر کے متابعت کر رہے ہیں۔

5- ابْنُ ثَوْبَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بنُ ثَابِتِ العَنْسِيُّ

الشَّيْخُ، العَالِمُ، الزَّاهِدُ، المُحَدِّثُ، [سیر أعلام النبلاء، رقم 103]

6-ثابت بن ثوبان

امام معاویہ بن صالح نے کہا: عنه ثقة لا بأس به

امام ابوحاتم ے کہا: ثقہ

امام عجیلی نے کہا: لا بأس به أبو مسهر أعلى أصحاب مكحول سليمان بن موسى ومعه يزيد بن جابر ثم العلاء بن الحارث وثابت بن ثوبان واليه أوصى مكحول

امام دحیم نے کہا: العلاء أفقه وثابت قليل الحديث

امام ابوزرعہ نے کہا: واعدت عليه تقدم سن ثابت ولقيه بن المسيب فلم

يدفعه عن ثقة وتقدم وقدم العلاء بن الحارث عليه لفقهه

امام عبداللہ عن اَبی شامی نے کہا: لیس بہ بأس

امام ابن حبان فی کتاب الثقات میں ذکر کیا۔[تہذیب التہذیب 2/4]

7- مَكْحُوْلُ الدِّمَشْقِيُّ أَبُوعَبْدِاللهِ

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: عَالِمُ أَهْلِ الشَّامِ [سیر أعلام النبلاء:57]

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ لکھتے ہیں۔ ابوعبداللہ مکحول شامی ثقہ ہے (تقریب التہذیب،1:545)

8- مَالِكُ بْنُ يُخَامِرَ السَّكْسَكِيُّ الْحِمْصِيُّ۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: يُقَالُ: لَهُ صُحْبَةٌ، وَكَانَ ثِقَةً كَبِيرَ الْقَدْرِ مُتَأَلِّهًا۔

[تاریخ الاسلام وَوَفیات المشاہیر والاعلام، رقم:96]

علامہ مزی ؒ فرماتے ہیں۔ مالک بن یخامر السکسکی تابعی ثقہ ہے، انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل اور امیر معاویہ ؓ سے روایت کیا ہے اور ان سے مکحول شامی نے روایت کیا ہے۔[تہذیب الکمال،27:167]

کیا علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف کہا؟

اعتراض نمبر1:

مخالفین نے علامہ البانی کے حوالہ سے اس روایت کو ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ جو کچھ یوں ہے۔

علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث صحیحہ، رقم:۱۱۴۴ (الصحیحة: ۳/۱۳۵) پر علامہ ذہبی کے حوالے سے لکھا کہ" مکحول لم یلق مالک بن یخافر" یعنی مکحول نے مالک بن یخامر سے ملاقات نہیں کی [یعنی یہ روایت منقطع ہے]۔

بلکہ یہی طریقہ غیر مقلد زبیر علی زئی نے اپنے ماہنامہ الحدیث، رسالہ نمبر:۵ صفحہ ۵ نے اپنایا اور اپنا مطلب نکالا۔

جواب: علامہ ناصر الدین البانی نے حضرت معاذ بن جبل ؓ سے مروی نصف الشعبان کے فضائل میں روایت کو سلسلۃ الاحادیث صحیحہ رقم:۱۱۴۴ پر نقل کیا اور اس کے بعد اس کی تخریج

کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---------وابن المحب في " صفات رب العالمين (7/2، 129)

2) وقال: قال الذهبي: مكحول لم يلق مالك بن يخامر -

قلت: ولولا ذلك لكان الإسناد حسنا، فإن رجاله موثوقون، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد(8/65): رواه الطبراني في الكبير و الاوسط ورجاله ماثقات

بعض لوگوں نے امام ذہبی کا قول" مکحول لم یلق مالک بن یخافر "یعنی مکحول نے مالک بن یخامر سے ملاقات نہیں کی [(الصحیحة: ۳/۱۳۵) یعنی یہ روایت منقطع ہے] کو البانی کی تحقیق سے جوڑا۔ مگر یہ ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ ناصر الدین البانی کے نہیں بلکہ امام ابن المحب کی" صفات رب العالمین" سے نقل شدہ ہے۔ کیونکہ علامہ البانی کا قول لفظ" قلت" یعنی میں کہتا ہوں، سے شروع ہوتا ہے۔

لہٰذا علامہ البانی کی آڑ لے کر یہ کہنا کہ علامہ البانی وسیع النظر ومطالعہ ہیں، اور یہ علامہ ذہبی کا قول ضرور ان کے مطالعہ سے گذرا ہوگا، غلط اور تحقیق کے خلاف ہے۔ اور البانی کے انھی الفاظ کو آڑ بنا کر زبیر علی زئی اور دیگر لوگوں کا علامہ البانی کے قول کو مستدل بنانا فضول ہے۔

دوم: علامہ البانی نے اپنی متعدد کتب میں اس روایت کو صحیح اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔

1۔صحيح الترغيب الصفحة، الرقم: 1026 قال: حسن صحيح

2۔إصلاح المساجد الصفحة، الرقم: 99 قال: صحيح

3۔صحيح الترغيب الصفحة، الرقم: 2767 قال: حسن صحيح

4۔تخريج كتاب السنة الصفحة، الرقم: 512 قال: صحيح

ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ علامہ البانی نے ابن المحب کی اس نقل پر بھی اعتماد نہیں کیا اور اس حدیث کو متعدد مقامات پر حسن صحیح کہا۔

اعتراض نمبر 2: جب راقم کی چند معاندین سے اس روایت کے متعلق بات ہوئی اور راقم نے جواباً کہا کہ یہ قول تو علامہ ذہبی سے بھی ثابت نہیں، تو غیر مقلدین کے ایک شیخ الحدیث

صاحب نے کہا کہ اچھا، تو سماع ثابت کر دیں؟۔

جواب: تو ان کے گوش گذار کیا گیا کہ جب ایسا اعتراض ہی علامہ ذہبی کی اپنی کتاب میں موجود نہیں ہے تو پھر ان کے سماع کو ثابت ہم کیوں کریں؟ کیونکہ اعتراض تو آپ کا ہے بجائے اس کے کہ آپ اپنی تحقیق پر نظر ثانی کریں آپ ہمیں لایعنی سا جواب دے رہے ہیں۔ آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ کتب اسماء الرجال واصول سے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی بھی محدث کا حوالہ پیش کریں۔

مگر اس مقام پر مناسب یہ ہے کہ قارئین کے لیے امام مکحول کا امام مالک بن یخامر سے سماع کے بارے میں تحقیق پیش کر دی جائے تا کہ آئندہ کوئی عوام الناس کو بہکانے کی ہمت نہ کر سکے۔

مکحول کا مالک بن یخامر سے سماع:

محدثین کرام نے مالک بن یخامر کے شاگروں میں مکحول شامی کا نام درج کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ، رقم: ۷۷۱۷، تہذِیب التہذیب، رقم ۱۴۰،

علامہ ذہبی نے الکاشف، رقم: ۵۲۶۷ اور تاریخ الاسلام، رقم: ۹۶ پر تو واضح طور عامر بن یخامر کے ترجمہ میں لکھا: حدث عنه معاوية على المنبر، وجبير بن نفير، و عمير بن هانئ، ومكحول، وسليمان بن موسى، وخالد بن معدان۔ یعنی عامر بن یخامر سے روایت کرنے والا ے مکحول، سلیمان بن موسی اور خالد بن معدان وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ مزی نے مالک بن یخامر کے شاگردوں اور روایات کرنے والوں میں مکحول کا نام لکھا ہے۔

علامہ مزی لکھتے ہیں کہ مالک بن یخامر السکسکی تابعی ثقہ ہے، انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور ان سے مکحول شامی نے روایت کیا ہے۔[تہذیب الکمال،27:167]

امید ہے کہ اس تحقیق کے بعد کچھ انصاف وتحقیق پسند لوگ اپنی تحریروں میں ضرور نظر ثانی کریں گے۔

ان محدثین کرام نے عامر بن یخامر سے روایت کرنے والوں میں مکحول کا تذکرہ کیا ہے اور کسی ارسال کی تذکرہ نہیں کیا۔

اعتراض نمبر 3: جب ان دلائل کی تفصیلات منکرین اور مخالفین کے ملتانی شیخ الحدیث کے سامنے پیش کیں گئیں تو بجائے حق سچ بات ماننے کے، یہ اعتراض کیا کہ مکحول کا عامر بن یخامر سے سماع کی تصریح کسی روایت میں مل جائے تو پھر بات مانی جاسکتی ہے۔

جواب: ہماری جانب سے پیش کیے گئے معتبر محدثین کے حوالہ جات کے بعد اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں رہتی مگر پھر بھی ان کی قلبی تسکین اور ذہنی تشفی کے لیے راقم نے مکحول کی چند روایت کی نشاندہی کر دی ہے جس میں مکحول نے خود اپنی سماعت اور روایت کا تذکرہ کیا۔

قارئین اور محققین کے ذوق مطالعہ کے لیے روایت پیش خدمت ہے!!

1۔ امام ابو عمر الدانی (المتوفی: 444ھ) اپنی ''کتاب السنن الوردہ فی الفتن'' ج ۴ ص ۹۳۰ پر ایک روایت نقل کی ہے، جس میں مکحول اپنی سماعت ''حدثنی'' کے الفاظ سے کر رہے ہیں۔

عَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ , عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ مَكْحُولًا يَقُولُ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ يَخَامِرَ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابُ يَثْرِبَ۔ [السنن الواردہ فی الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها، رقم: ۴۵۹، ج ۴ ص ۹۳۰]

2۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: 852ھ) اپنی کتاب ''اتحاف المهرة''، رقم الحدیث ۱۶۷۳۰ میں ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں امام مکحول نے امام مالک بن یخامر سے اپنی سماعت کا ذکر لفظ ثنا [سنا] سے کیا ہے، روایت پیش خدمت ہے۔

حديث (قط): "ما أحل الله تعالى شيئاً أبغض إليه من الطلاق، فمن طلق واستثنى فله ثنياه". قط في الطلاق: ثنا عثمان بن أحمد الدقاق، ثنا إسحاق بن إبراهيم بن سنين، ثنا عمر بن إبراهيم بن خالد، ثنا حميد ابن عبد الرحمن، بن مالك اللخمي، ثنا مكحول، ثنا مالك بن يَخَامِر، بهذا. [إتحاف المهرة بالفوائد المبتكرة من أطراف العشرة، رقم الحدیث: ۱۶۷۳۰]

3۔امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: 385ھ) نے اپنی ''کتاب العلل الوردہ''، رقم ۹۷۲ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں مکحول نے اپنی سماعت کا ذکر ''حدثنی'' سے کیا ہے۔

وَسُئِلَ عَنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ يُخَامِرَ، عَنْ مُعَاذٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابٌ لِيَثْرِبَ، وَخَرَابُ يثرب خروج الملحمة، وخروج الملحمة فتح القسطنطينية.فَقَالَ: يَرْوِيهِ ابْنُ ثَوْبَانَ، وَاخْتُلِفَ عَنْهُ؛فَرَوَاهُ أَبُو حَيْوَةَ شُرَيْحُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَكْحُولٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ يُخَامِرَ، عَنْ مُعَاذٍ۔ [العلل الوردہ فی الاحادیث النبویۃ، رقم: ۹۷۲]

امید ہے کہ اگر کسی میں انصاف کا ذرہ بھی ہوا تو وہ اس رویات کو صحیح مانے گا، وگرنہ میں نہ مانوں کا علاج نہیں۔

اعتراض نمبر 4: کچھ لوگوں نے اس حدیث کو نہ ماننے کے لیے کچھ مزید اعتراض کیے ہیں مناسب ہوگا کہ ان کا بھی محققانہ جواب دے دیا جائے تا کہ کسی کو کچھ کہنے اور بھولے بھالے عوام الناس کو بہکانے کا موقع نہ مل سکے۔

ان میں ایک اعتراض امام ابوحاتم کی کتاب ''العلل'' سے نقل کیا جاتا ہے کہ امام ابوحاتم نے اس حدیث کی سند کو منکر کہا ہے کیونکہ اس سند کے ساتھ ابی خلید کے علاوہ کسی اور راوی نے روایت نہیں کیا۔

وسألتُ أَبِي عَنْ حديثٍ رواه أبو خُلَيدٍ القَارِئُ ی عَنِ الأَوْزاعِيِّ، عَنْ مَكْحُولٍ - وعَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَكْحُولٍ -عَنْ مالكِ بْنِ يُخَامِرَ، عَن معاذِ بْنِ جَبَلٍ؛ قَالَ: قَالَ رسولُ الله (ص) : يَطَّلِعُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى خَلْقِهِ ... ؟قَالَ أَبِي: هَذَا حديثٌ مُنكَرٌ بهذا الإسنادِ ، لم يَرْوِ بهذا الإسنادِ [غير] أَبِي خُلَيدٍ، وَلا أَدْرِي مِنْ أَيْنَ جاءَ بِهِ!قلتُ: ما حالُ [أَبِي] خُلَيدٍ؟ قَالَ: شيخٌ [العلل لابن أبی حاتم، رقم: ۲۰۱۲]

الجواب: اس عبارت کا بغور مطالعہ کیجئے۔امام ابوحاتم نے اس حدیث میں جو علت بیان کی

وہ یہ ہے:قَالَ أَبِي: هَذَا حديثٌ مُنكَرٌ بهذا الإسنادِ ، لم يَرْوِ بهذا الإسنادِ [غير] أَبِي خُلَيدٍ، وَلا أَدْرِي مِنْ أَيْنَ جاءَ بِهِ۔یعنی میرے والد امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر ہے۔[آگے منکر ہونے کی وجہ لکھتے ہیں]اس سند کے ساتھ یہ روایت ابی خلید کے علاوہ کسی [راوی] سے مروی نہیں۔میں نہیں جانتا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔[مفہوم یہ کہ اس کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہو تو مجھے نہیں معلوم۔]

اب امام ابوحاتم نے اپنے علم کے مطابق اس حدیث پر حکم لگایا کہ اس روایت کو ابی خلید کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا۔

مگر کیا یہ ضروری ہے کہ امام ابوحاتم کی رائے کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے۔کیونکہ اگر کوئی اور راوی روایت نہیں بھی کرے تو روایت کو ضعیف کیسے کہا جا سکتا ہے۔کیونکہ خود غیر مقلدین ثقہ کی روایت کو قبول کرنے کا اصول مانتے ہیں۔

اگر اعتراض کرنے والوں نے امام بیہقی کی کتاب شعب الایمان رقم ۳۸۳۳ کا ہی مطالعہ کر لیا ہوتا تو ان کو اپنی رائے پر نظر ثانی ضرور کرنی پڑتی۔اسی لیے غیر مقلدین میں سے کسی نے بھی امام ابوحاتم کے قول کو علت نہیں بنایا۔میرے مطالعے میں اب تک اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں لکھیں گئیں ہیں کسی نے بھی اس کو پیش نہیں کیا اور اگر کسی نے پیش کیا بھی ہو تو یہ اعتراض علت معلول نہیں جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہو سکے۔

امام بیہقی کی سند پیش خدمت ہے۔اس سند میں امام الاوزاعی سے ۲ مزید راوی روایت نقل کرتے ہیں۔جو کہ ابوخلید کے علاوہ ہیں۔

۱۔محمد بن كثير المصيصي نا الأوزاعي عن مكحول

۲۔أبو خليد يعني عتبة بن حماد الحكمي عن الأوزاعي عن مكحول

اس کے بعد امام بیہقی نے اس روایت کے اصل ہونے کی بھی نشاندہی کی اور امام بیہقی کا قول ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب ہے جنھوں نے امام ابوحاتم کے قول کے معنی یہ کیے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ نا أبو أحمد الحافظ نا أبو جعفر محمد بن عمران النسوی النیسابوری نا أبو الولید محمد بن أحمد بن برد الأنطاکی نا محمد بن کثیر المصیصی نا الأوزاعی عن مکحول ح و أخبرنا أبو عبد الله الحافظ و إسحاق بن محمد بن یوسف السوسی و أبو بکر القاضی قالوا : ثنا أبو العباس محمد بن یعقوب نا یزید بن محمد بن عبد الصمد الدمشقی نا هشام بن خالد نا أبو خلید یعنی عتبة بن حماد الحکمی عن الأوزاعی عن مکحول و ابن ثابت یعنی عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان عن أبیه عن مکحول عن مالك بن یخامر عن معاذ بن جبل : عن النبی صلی الله علیه و سلم قال:یطلع الله فی لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه إلا المشرك أو مشاحن . و فی روایة المصیصی قال : قال رسول الله صلی الله علیه و سلم و الباقی سواء. و قد روینا هذا من وجه و فی ذلك دلالة علی أن للحدیث أصلا من حدیث مکحول۔ (شعب الایمان:۳۸۳۳)

اس روایت کے بعد اگر کسی میں مسلکی تعصب باقی ہے تو اللہ تعالی سے اپنی ہدایت کے دعا کرے اور حق سچ بات ماننے کا حوصلہ دے۔

اعتراض نمبر 5: امام دارقطنی اس حدیث کو اپنی کتاب ''العلل رقم:۹۷۰'' پر غیر ثابت کہا ہے۔

الجواب: مسلکی تعصب میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایات سے انکار کرنے کے لیے چند لوگوں نے امام دارقطنی کی کتاب العلل سے ایک اعتراض کیا ہے۔

وسُئِل عَن حَدِیثِ مالِكِ بنِ یُخامِر ، عَن مُعاذٍ ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی الله عَلَیه وسَلم ، قال : یَطَّلِعُ الله عَزّ وجَلّ إِلَی خَلقِهِ لَیلَةَ النِّصفِ مِن شَعبان ، فَیَغفِرُ لِجَمِیعِ خَلقِهِ إلاّ لِمُشرِكٍ أَو مُشاحِنٍ.قال : یُروَی عَن مَکحُولٍ ، واختُلِف عَنهُ ؛ فَرَواهُ أَبُو خُلَیدٍ عُتبَةُ بن حَمّادٍ القارِئُ ، عَنِ الأَوزاعِیِّ ، عَن مَکحُولٍ ، وعن ابن ثوبان ، عن أبیه ، عن مکحول ، عَن مالِكِ بنِ یُخامِر ، عَن مُعاذِ بنِ جَبَلٍ.قال ذَلِك هِشامُ بن خالِدٍ : عَن أَبِي خُلَید.حَدَّثناهُ

ابن أَبِي داوُد ، قال : حَدَّثنا هِشامُ بن خالِدٍ بِذَلِكَ.وَخالَفَهُ سُلَیمانُ بن أَحمد الواسِطِیُّ ، فَرَواهُ عَن أَبِي خُلَیدٍ ، عَنِ ابنِ ثَوبان ، عَن أَبِیهِ ، عَن خالِدِ بنِ مَعدان ، عَن کَثِیرِ بنِ مُرَّة ، عَن مُعاذِ بنِ جَبَلٍ .کِلاهُما غَیرُ مَحفُوظٍ.وَقَد رَوَی عَن مَکحُولٍ فِی هَذا رِوایاتٍ ، وقال هِشامُ بن الغازِ : عَن مَکحُولٍ ، عَن عائِشَة ، وقِیل : عَنِ الأَحوَصِ بنِ حَکِیمٍ ، عَن مَکحُولٍ ، عَن أَبِي ثَعلَبَة.وَقِیل : عَنِ الأَحوَصِ ، عَن حَبِیبِ بنِ صُهَیبٍ ، عَن أَبِي ثَعلَبَةَ. وَقِیل: عَن مَکحُولٍ ، عَن أَبِي إِدرِیس مُرسَلاً .

وَقال:الحَجّاجُ بن أَرطأة ، عَن مَکحُولٍ ، عَن کَثِیرِ بنِ مُرَّة مُرسَلاً ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی الله عَلَیه وسَلم ، قالَ. وَقِیل : عَن مَکحُولٍ مِن قَولِهِ ، والحَدِیثُ غَیرُ ثابِتٍ۔

[العلل الوردہ فی الآحادیث النبویۃ ،رقم:۹۷۰]

معترض نے امام دارقطنی کی عبارت تو پیش کر دی، مگر ان متعصب قسم کے لوگوں نے جس عبارت سے استدلال کیا، وہ یہ ہے: وَقِیل : عَن مَکحُولٍ مِن قَولِهِ ، والحَدِیثُ غَیرُ ثابِتٍ۔

مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ عبارت امام دارقطنی کی نہیں بلکہ یہ قول امام دارقطنی نے ''قیل'' جو مجہول کا صیغہ ہے۔اور یہ عبارت کسی مجہول شخص کی ہے۔

مزید یہ کہ چند کم فہم لوگوں نے اس پوری عبارت سے صرف ''و الحَدِیثُ غَیرُ ثابِتٍ'' کو امام دارقطنی سے منسوب کیا۔اور پہلی عبارت ''وَقِیل:عَن مَکحولٍ مِن قَولِهِ'' جو کہ ایک مجہول شخص کی ہے کو تسلیم کر لیا۔ان لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جملہ ''و الحَدِیثُ غَیرُ ثابِتٍ'' میں ''واؤ'' کا عطف کس عبارت پر ہے؟ اور یہ عبارت امام دارقطنی کی نہیں بلکہ اسی سابقہ عبارت ''وَقِیل : عَن مَکحُولٍ مِن قَولِهِ'' مجہول شخص کی عبارت کا تسلسل ہے۔(حاشا وکلا) یہ ہیں شیخ الحدیث۔

انہی شیخ الحدیث کے تلامذہ، اپنے شیخ کے دفاع میں ہر قسم کی کذب بیانی کو ثواب سمجھتے ہیں۔جبکہ ان کے شیخ الحدیث کو تو وہ عبارات بھی معلوم نہیں جو ان کے شتر بے مہار شاگرد، ان کے دفاع میں پیش کرتے ہیں۔اگر سمجھ میں نہیں آتا تو کسی سے بھی ترجمہ کرا کر دیکھ لیں کہ ''واؤ''

کا عطف سابقہ عبارت پر ہے کہ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی خودسرا اپنے شیخ کے دفاع میں شیخ الحدیث کے شاگردوں کو یہ کہے کہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ اور ادھر ادھر کی لغو اور فضول قسم کی باتیں کرے مناسب یہ ہے کہ امام دارقطنی کی ہی کتاب سے ثابت کیا جائے کہ ’’ والحدِیثُ غَیرُ ثابتٍ ‘‘ امام دارقطنی کی جرح نہیں ہے۔

امام دارقطنی اپنی دوسری کتاب ’’النزول، رقم: ۶۴ ‘‘ پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حدثنا أبو بكر عبد الله بن سليمان بن الأشعث لفظا ,أنا هشام بن خالد, قال: أنا أبو خليد عتبة بن حماد القاري عن الأوزاعي, عن مكحول, وابن ثوبان, عن أبيه, عن مكحول, عن مالك بن يخامر السكسكي, عن معاذ بن جبل عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يطلع الله عز وجل إلى خلقه ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه إلا مشركا أو مشاحنا۔ [النزول للدارقطنی، رقم: ۶۴]

قال الدارقطني: اختلف على مكحول في إسناد هذا الحديث. فقال أبو خليد عن الأوزاعي, عن مكحول, وعن ابن ثوبان, عن مالك بن يخامر, عن معاذ, وقال المحاربي, عن الأحوص بن حكيم, عن المهاصر بن حبيب, عن مكحول عن أبي ثعلبة الخشني. وقال الحجاج بن أرطاة: عن مكحول, عن كثير بن مرة عن النبي صلى الله عليه وسلم. وقال الفريابي: عن أبي ثوبان عن أبيه, عن مكحول, عن خالد بن معدان, عن كثير بن مرة من قوله. وقال زيد بن أبي أنيسة: عن جنادة بن أبي خالد, عن مكحول, عن أبي إدريس الخولاني قوله. وقال هشام بن الغار: عن مكحول, عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم. وقال عتبة بن أبي حكيم: عن مكحول بهذا مرسلا عن النبي صلى الله عليه وسلم. وقال: برد بن سنان: عن مكحول أراه عن كعب الأحبار۔ [النزول للدارقطنی، رقم:64]

اس پوری عبارت میں امام دارقطنی نے کسی بھی جگہ ’’ والحدِیثُ غَیرُ ثابتٍ ‘‘ کے الفاظ نقل نہیں

کیے۔ بلکہ ’’ اختلف علی مکحول في إسناد هذا الحديث ‘‘ کے الفاظ لکھے ہیں۔ اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ اسناد کے اختلاف پر ہر روایت ضعیف نہیں ہوتی۔ اور عجب بات یہ کہ جب ترک رفع الیدین کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی تصحیح امام دارقطنی کریں تو پھر اس کو ماننے سے صاف انکار کرتے ہیں۔

اس حدیث کو غیر مقلد حافظ زبیر احمد نے ایک ویب سائٹ پر اپنے ایک مضمون میں صحیح کہا ہے۔ forum.mohaddis.com/threads//:http

اہم نکتہ: کوئی نام نہاد عالم یہ کہہ کر بھولے بھالے اہل سنت کو گمراہ کرے کہ جو بھی ہے امام دارقطنی نے کتاب العلل میں اس پر جرح نقل کی ہے۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ اول تو امام دارقطنی کی جرح ثابت ہی نہیں ہے۔

اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ امام دارقطنی کی جرح موجود ہے تو ہر جرح راوی یا حدیث کو ضعیف ثابت نہیں کرتی۔ مناسب ہوگا کہ قارئین کے سامنے مخالفین کے ایک عالم زبیر علی زئی غیر مقلد کی کتاب سے ایک مثال پیش کردی جائے جس سے ان کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

غیر مقلد زبیر علی زئی صاحب شرح شمائل ترمذی کی تحقیق میں ایک حدیث جس پر امام دارقطنی نے جرح اور اعتراض کیا تھا، اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

’’اور امام دارقطنی نے اس روایت کو ایسی علت کے ساتھ معلول قرار دیا ہے جو علت قادحہ نہیں ہے‘‘۔

اس مذکورہ بالا حوالہ سے ثابت ہوا کہ ہر جرح یا علت ایسی نہیں ہوتی کہ جس سے حدیث ضعیف ہوسکے۔ تو ہماری پیش کردہ روایت پر اگر امام دارقطنی کی جرح تسلیم کر بھی لی جائے تو وہ علت قادحہ نہیں اور اس کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں۔

اس حدیث کی سند ثابت اور صحیح ہونے کے بعد ۱۵ شعبان کی فضیلت کا انکار کوئی کوتاہ فہم ہی کرے گا۔ اللہ تعالی گمراہی سے بچائے آمین۔

باب دوم: احادیث حسن وضعیف:

اس باب میں حسن احادیث شامل ہونگی، یہ باب ۴ وجوہات کی بنا پر قابل حجت ہے۔

1۔ یہ باب ان احباب پر حجت ہوگا جو کہ سند ضعیف+سند ضعیف=سند حسن اور ضعیف روایت کے متعدد اسانید اور شواہد کی بنا پر حدیث کو حسن ماننے کا قائل ہیں۔ جیسے کہ غیر مقلدین حضرات میں جناب ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ۔ اس کی تفصیل غیر مقلد عالم ابن البشیر الحسینوی کے مضمون جو کہ اس باب کے آخر میں آرہی ہے۔

2-اور یہ باب ان لوگوں پر بھی حجت ہوگا جو کہ صحیح حدیث کے شاہد کے طور پر ضعیف حدیث کے حسن ہونے اور ماننے کے قائل ہیں جیسا کہ غیر مقلدین حضرات میں سے زبیر علی زئی اور انکے حوارین وغیرہ۔ کیونکہ یہ گروہ ضعیف احادیث کو بطور شاہد یا متابعت صحیح روایت کی روشنی میں قابل احتجاج یا حجت مانتے ہیں۔ جیسا کہ زبیر علی زئی کی کتب ورسائل اس پر شاہد ہیں۔

اور اس باب میں اگر تمام روایات کو ضعیف+ضعیف=ضعیف، کے اصول کے تحت ضعیف مان بھی لیا جائے تو پھر بھی ان کے بیان کردہ اصول کے تحت قابل احتجاج ہونگی کیونکہ باب اول میں صحیح حدیث موجود ہے، جس کا انکار اس تحقیق کو ملاحظہ کرنے کے بعد کوئی منکر حدیث متعصب ہی کر سکتا ہے۔

3-یہ باب ان محققین کے لئے بھی حجت ہوگا کہ جو کہ ضعیف روایت کو تابعین کے صحیح اقوال کی روشنی میں قبول کرنے کے قائل ہیں۔ اگر اس باب کی تمام روایات کو بالفرض ضعیف مان بھی لیا جائے تو باب سوم میں اسانید صحیحہ کے ساتھ اقوال تابعین موجود ہیں۔

4-اور یہ باب ان مخالفین پر بھی حجت ہے کہ ضعیف احادیث کو مستحبات یا فضائل اعمال میں پیش کرنے کے اصول کو مانتے بھی ہیں اور اپنی کتاب میں پیش بھی کرتے ہیں۔ اور فضائل میں ضعیف احادیث کے حجت ہونے کا مذہب جمہور علماء کرام ومحدثین کا ہے۔ مزید تفصیل کتب اصول یا اعلیٰ حضرت محدث بریلوی ؒ کی کتب میں دیکھیں جا سکتیں ہیں۔ اور اس باب کے

آخر میں فضائل اور ترغیب میں ضعیف احادیث کی حجیت پر ایک جامع مضمون دیا جا رہا ہے تا کہ قارئین کرام اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ اگر کسی حدیث کی سند ضعیف ہے تو اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ وہ حدیث منگھڑت یا موضوع ہے۔

حدیث نمبر(1)

حَدَّثَنَا رَاشِدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ رَاشِدٍ الرَّمْلِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، عَنْ ابْنِ لَهِيعَةَ، عَنْ الضَّحَّاكِ بْنِ أَيْمَنَ، عَنْ الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَرْزَبٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: "إِنَّ اللَّهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ، إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ"

(أخرجه ابن ماجه في السنن، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، (۱۳۹۰)، وابن أبي عاصم في السنة ۲۲۲/۱ (۵۱۰)، والدارقطني في النزول ۱۷۳ـ(۹۴)، واللالكائي في شرح أصول اعتقاد أهل السنة ۳/۴۴۵، والطبراني في الكبير ۲۲/۱۸۴ـ۱۸۵ (۵۹۰ـ۵۹۳)، والبيهقي في فضائل الاوقات ۱۲۱ـ۱۲۲ (۲۳)، وفي شعب الايمان ۵/۳۶۰، وابن عساكر في التاريخ ۱۸/۳۲۶، والمزي في تهذيب الكمال ۹/۳۰۹، وابن فيل في جزءٔ (۸۰)[ق])

ترجمہ:۔ابوموسی اشعری ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بے شک اللہ تعالی نصف شعبان کی رات (اپنی مخلوق کی طرف) متوجہ ہوتا ہے پس مشرک اور کینہ پرور کے سوا ہر ایک کی مغفرت فرما دیتا ہے۔“

قال الألباني في ظلال الجنة في تخريج السنة لابن أبي عاصم (۵۱۰): صحيح لغيره۔ سنن ابن ماجه ۱/۴۱۵ (۱۱۴۸) میں کہا کہ:”حسن“۔

پس غیر مقلدین کے محدث البانی نے اس روایت کو ”صحیح لغیرہ“ اور ”حسن“ قرار دیا ہے

حدیث نمبر(2):

حَدَّثَنَا حَسَنٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، حَدَّثَنَا حُيَيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيِّ،

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " يَطَّلِعُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهِ إِلَّا [ص: 217] لِاثْنَيْنِ: مُشَاحِنٍ، وَقَاتِلِ نَفْسٍ " (أخرجه أحمد في مسنده ٢/٦٢٤ (٦٦٤٢)، والخلال في "المجالس العشرة (٢)، والشجري في أماليه ٢/٤٨ (١٥٣٩) ۔وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد ٨/٦٥: وقال ==== رواه أحمد، وفيه ابن لهيعة، وهو لين الحديث وبقية رجاله وثقوا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی شعبان کی پندرھویں رات اپنی مخلوق کی طرف (خاص) توجہ کرتا ہے پس اپنے تمام بندوں کی بخشش فرماتا ہے سوائے دو کے، اول کینہ پرور، دوم خودکشی کرنے والا۔

البانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

" قلت : وهذا إسناد لا بأس به في المتابعات والشواهد، قال الهيثمي : وابن لهيعة لين الحديث ، وبقية رجاله وثقوا ۔ وقال الحافظ المنذري (٣/٢٨٣) وإسناده لين ۔ قلت : لكن تابعه رشدين بن سعد بن حيي به ۔ أخرجه ابن حيويه في حديثه (٣/١٠/١) فالحديث حسن ۔ قلت : ذكره البخاري في التاريخ الكبير ٨/١٩٩ (٢٧٠٠) ولم يضعفه۔ یعنی شواہد اور متابعات میں اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے، امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور ابن لھیعہ کمزور حدیث والا ہے اور باقی رجال کی توثیق کی گئی ہے، اور حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اس کی سند کمزور ہے۔ (البانی) میں کہتا ہوں اس کا متابع رشدین بن سعد بن حیی ہے اس کی روایت کو ابن حیویہ نے روایت کیا پس یہ حدیث حسن ہے۔

حدیث نمبر(3):

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْمَطِيرِيُّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ الْفُلُوسِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ غَالِبٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْكُوفِيُّ، وَقَدِمَ عَلَيْنَا مُرَابِطًا عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَغْفِرُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِعِبَادِهِ إِلا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ. [في تاريخ

بغداد: أو لِعَبْدٍ]

أخرجه الخطيب في تاريخ بغداد ١٢/٢٥١، في ترجمة يعقوب بن اسحاق بن زياد و البزار في مسنده ١٦/١٦١، (كشف الاستار ٢/٤٣٦)، وابن سمعون في أماليه ١٢٤ (٦٦)، و ١٩٠ (١٦٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب نصف شعبان کی رات آتی ہے تو اللہ تعالی مشرک یا کینہ پرور کے سوا اپنے بندوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ قال الهيثمي في مجمع الزوائد (٨/٦٥) رواه البزار وفيه هشام بن عبد الرحمن ولم أعرفه وبقية رجاله ثقات ۔ امام ہیثمی نے فرمایا اس کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں ہشام بن عبد الرحمن ہے اور میں اس کو نہیں جانتا اور اس کے باقی رجال (راوی) ثقہ ہیں۔

حدیث نمبر(4):

حَدَّثَنَا الْأَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ الْمِصْرِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ أَبِي الْحَارِثِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَوْ عَنْ عَمِّهِ، عَنْ جَدِّهِ أَبِي بَكْرٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِكُلِّ نَفْسٍ إِلَّا مُشْرِكٍ بِاللَّهِ وَمُشَاحِنٍ ۔(أخرجه البزار في مسنده ١/١٥٧ (٨٠)، و٢٠٦ (١١٤) ، والمروزي في مسند أبي بكر الصديق (١٠٤)، والدارمي في الرد على الجهمية (٦٨)، وابن أبي عاصم في السنة (٥٠٩)، والفاكهي في أخبار مكة ---(١٧٧٤)، وابن أبي الدنيا في فضائل شهر رمضان (٢)، وابن خزيمة في التوحيد ١٣٦، وأبو الشيخ في طبقات المحدثين بأصبهان ٢/٢١٩ (٣١٤)، والدارقطني في النزول (٧٥-٧٦)، وابن بطة في الابانة الكبرى (١٢٤٩)، والبغوي في شرح السنة ٤/١٢٧ (٩٩٣)، وأبو نعيم في أخبار أصبهان ١/٤٢٦، والعقيلي في الضعفاء الكبير (١١٣٥)، واللالكاءي في شرح أصول اعتقاد أهل السنة (٧٥٩)، وغيرهم۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷜ سے روایت ہے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب شعبان کی پندرھویں رات آتی ہے اللہ تعالی اپنی شان کے مطابق آسمان دنیا کی طرف ظہور فرماتا ہے پس اپنے بندوں کی بخشش فرماتا ہے سوائے ان کے جو مشرک اور کینہ پرور ہے''۔

قال الألباني في ظلال الجنة في تخريج السنة لابن أبي عاصم (٥٠٩): ''صحيح لغيره''۔ البانی نے اس کو ''صحیح لغیرہ'' قرار دیا ہے۔

1۔ حافظ ابن حجر ﷫ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِنْ كَانَ مُنْ رِوَايَةِ الْقَاسِمِ عَنْ عَمِّهِ وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ الرَّحْمَنُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فَإِنَّهُ سَمِعَ مِنْهُ وَسَمِعَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ مِنْ أَبِيهِ۔ [الآمالی المطلقہ ص120]

یعنی حافظ ابن حجر نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

اگر غیر مقلدین [خصوصاً غالی زبیر علی زئی] حافظ ابن حجر کی کتاب ''الموافقۃ الخبر'' سے محمود بن اسحاق الخزاعی کی ایک روایت کو اسنادہ حسن کہنے سے محمود بن اسحاق الخزاعی کو ثقہ ثابت کرتے ہیں تو پھر اس سند میں جو عبد الملک بن عبد الملک ایک راوی ہے وہ ثقہ کیوں نہیں۔ مولانا حافظ زبیر علی زئی (غیر مقلد) اپنی کتاب نور العینین ص ۵۲۶ جدید ایڈیشن پر رقم طراز ہیں:

حافظ ابن حجر العسقلانی نے محمود بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ [دیکھیے موافقۃ الخبر الخبر فی تخریج احادیث المختصر ۱/۴۱۷] اس کے بعد فرماتے ہیں:

تنبیہ: راوی کی منفرد روایت کو حسن یا صحیح کہنا، اس روایت کی توثیق ہوتی ہے۔

[دیکھیے نصب الرایہ ۱/۱۴۹، ۳/۲۶۴]

اگر حق کو تسلیم کرنا جانتے ہیں تو پھر اس حدیث کو بھی تسلیم کریں۔ ورنہ محمود بن اسحاق الخزاعی کو بھی مجہول مانیں۔

2۔ امام بزار ﷫ اپنی المسند، 1:206، رقم: 80 میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ہم اس حدیث کو حضرت ابوبکر صدیق ﷜ سے مروی صرف اسی طریق سے جانتے ہیں اور یہ

حدیث حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔ سب سے اعلیٰ اسناد سے حضرت ابوبکر روایت کرتے ہیں اگرچہ اس اِسناد میں کچھ ہو، پس ابوبکر کی جلالت نے اسے حسین بنا دیا ہے۔ اگرچہ عبد الملک بن عبد الملک معروف راوی نہیں ہے،

امام بزار ﷫ مزید فرماتے ہیں:

وقد روى هذا الحديث أهل العلم ونقلوه و احتملوه فذكرنا لذالك۔ ''اہلِ علم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، نقل کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے لہٰذا ہم نے اس کو ذکر کیا۔''

اھم نکتہ: امام ابوبکر احمد بن عمرو المعروف بزار کی تاریخ وفات 292ھ ہے۔ ان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت وخصوصیت تسلیم کرنا اور اس کو بیان کرنا اہل علم کا ابتدائی اَدوار سے طریقہ رہا ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں کوئی شخص بھی اگر شبِ برات کی غیر معمولی فضیلت کا انکار کرتا ہے تو درحقیقت وہ احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے عمل سے ناواقفیت کی بناء پر ایسا کر رہا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ جب یہ عمل قرون اولی میں تھا تو پھر اس کو بدعت کہنا کون سی انصاف کی بات ہے؟ خدا را کچھ تو اصولوں کا خیال رکھیں۔ مخالفین تو اپنے بنائے ہوئے اصولوں کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔

حدیث نمبر (5):

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ الْحَرَّانِيُّ يَعْنِي عَبْدَ الْغَفَّارِ بْنَ دَاوُدَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعَمَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَطَّلِعُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لَهُمْ كُلِّهِمْ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔

(أخرجه البزار في مسنده ١٨٦/٧ (٢٧٥٤)، والجوهري في أماليه (٨) بسند آخر۔

حضرت عوف ﷜ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالی نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس وہ تمام کی بخشش فرماتا ہے سوائے مشرک

اورکینہ پرور کے۔

وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ۸/۷۷ : رواه البزار، وفيه عبد الرحمن بن زياد بن أنعم ،وثقه أحمد بن صالح، وضعفه جمهور الأئمة، وابن لهيعة لين، وبقية رجاله ثقات۔

اورامام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو بزار نے روایت کیا اور اس میں عبدالرحمن بن زیاد بن انعم ہے اور اس کی احمد بن صالح نے توثیق کی ہے اور جمہور نے تضعیف کی ہے اور ابن لہیعہ کمزور ہے اور باقی رجال ثقہ ہیں۔

حدیث نمبر(6):

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ النَّضْرِ الْعَسْكَرِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ آدَمَ الْمِصِّيصِيُّ، ثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، عَنِ الْأَحْوَصِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:يَطَّلِعُ اللهُ عَلَى عِبَادِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَيُمْهِلُ الْكَافِرِينَ، وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتَّى يَدْعُوهُ. [وفى رواية : **وأهل الضغائن**] (أخرجه الطبرانى فى الكبير ۲۲/۱۸۴ـ۱۸۵ (۵۹۰ـ۵۹۳)، وابن أبى عاصم فى السنة ۱/۲۲۳ـ ۲۲۴ (۵۱۱)، ومحمد بن عثمان بن أبى شيبة في العرش ۹۳ـ۹۴ (۸۷)، والدارقطنى فى النزول ۱۵۹ـ۱۶۲ (۷۸ـ۷۹ـ ۸۰ـ۸۱)، وابن قانع فى معجم الصحابة ۳/۱۲۲۱ (۳۰۳)، واللالكاءى فى السنة ۳/۴۴۵ (۷۲۰)، وأبى طاهر ابن أبى صقر فى مشيخة ۷۷(۱۲) والبيهقى فى شعب الايمان ۵/۳۵۹ (۳۵۵۱)، وفى فضائل الاوقات ۱۲۱ـ۱۲۲ (۲۳)، وفى السنن الصغرى (۱۷۶)، وغيرهم۔

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کو اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس وہ مومنوں کی بخشش فرماتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اور کینہ رکھنے والوں کو ان کے کینہ کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کینہ کو چھوڑ دیں۔

قال الألباني في ظلال الجنة "صحيح" وقال في صحيح الترغيب والترهيب "صحيح

لغیرہ"۔اور محمد بن حمد الحمود نے لکھا: "حدیث صحیح۔۔۔"۔(کتاب العرش ۹۳)

حدیث نمبر(7):

حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ ، عَنْ حَجَّاجٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : كُنْت إِلَى جَنْبِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَفَقَدْته فَابْتَغَيْتُهُ فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ رَافِعًا يَدَيْهِ يَدْعُو فَقَالَ : يَا بنت أَبِي بَكْرٍ ، أَخَشِيت أَنَّ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْك وَرَسُولُهُ ، إنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ ، لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ، فَيَغْفِرُ فِيهَا مِنَ الذُّنُوبِ أَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ مَعْزِ كَلْبٍ۔ (أخرجه الترمذي في الجامع في الصوم باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان (۷۳۹)، وابن ماجه في السنن (۱۳۷۹)، وابن أبي شيبة في المصنف (۳۰۳۵۶)، وأحمد في مسنده ۶/۲۳۸ (۲۶۰۶۰) ،واسحاق بن راهويه في مسنده ۲/۳۲۷ (۸۵۰)، وعبد بن حميد في المنتخب ۳/۲۳۳ (۱۵۰۷) ،وابن مندة في مجالس من أماليه (۳۶۲)، والاسماعيلي في معجم أسامي شيوخ ۱/۴۰۷ـ۴۰۸ ، وابن بطة في الابانة الكبرى (۱۲۵۰)، والبغوي في شرح السنة (۹۹۲)، والفاكهي في أخبار مكة (۱۷۷۴)، واللالكاءي في السنة ۳/۴۴۸ (۷۶۴)، والدارقطني في النزول ۱۶۹ـ۱۷۰ (۸۹)، وابن أبي الدنيا في فضائل شهر رمضان (۴)، وطراد الزيني في تسعة مجالس من أمالي (۱۳)[ق] ، والبيهقي في شعب الايمان ۵/۳۵۷(۳۵۴۵)، وفي فضائل الأوقات ۱۳۱ـ۱۳۲ (۲۸)،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی آپ فرماتی ہیں کہ: "میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک رات نہ پایا تو میں آپ کی جستجو میں نکلی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بقیع میں اس طرح پایا کہ آپ کا سرِ مبارک آسمان کی طرف اُٹھا ہوا ہے۔آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں اس کا خوف ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریگا؟ میں نے عرض کیا: مجھے یہ تو خوف نہیں ہے۔مگر میں نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ کسی اور بی بی کے پاس تشریف لے گئے ہیں ۔پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل آسمانِ دُنیا کی طرف پندرھویں شعبان کی شب کو نزول فرماتا ہے، پس قبیلہ "بنی کلب" کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے زیادہ مخلوق کو اللہ تعالی بخش دیتا ہے۔"

قال الألبانی : ورجاله ثقات ، لکن حجاج وھو ابن ارطأة مدلس وقد عنعنه ، وقال الترمذی: وسمعت محمدا (یعنی البخاری) : یضعف ھذا الحدیث۔

البانی نے کہا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں ،لیکن حجاج بن ارطاۃ مدلس ہے اور وہ عن کے ساتھ روایت کررہاہےاورامام ترمذی ؒ نے فرمایا: میں نے امام بخاری ؒ سے سنا وہ اس حدیث کی تضعیف کرتے تھے

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد شیخ البانی لکھتے ہیں:

وجملة القول أن الحدیث بمجموع ھذہ الطرق صحیح بلا ریب ، والصحة تثبت بأقل منھا عددا ، ما دامت سالمة من الضعف الشدید کما ھو شأن فی ھذا الحدیث ، فما نقله الشیخ القاسمی رحمة الله تعالی فی اصلاح المساجد (ص ۱۰۷) عن أھل التعدیل والتجریح أنه لیس فی فضل لیلة النصف من شعبان حدیث یصح ، فلیس مما ینبغی الاعتماد علیه ، ولئن کان أحد منھم أطلق مثل ھذا القول فإنما أوتی من قبل التسرع وعدم وسع الجھد لتتبع الطرق علی ھذا النحو الذی بین یدیک۔ والله تعالی ھو الموفق۔(سلسلة الأحادیث الصحیحة ۳/۱۳۸۔۱۳۹)

اورجملۃ القول یہ ہے کہ بے شک ان طرق کے مجموعہ سے یہ حدیث بلاشک صحیح ہے اور صحت اس سے کم عدد پر بھی ثابت ہوتی ہے جب تک کہ وہ شدید ضعف سے محفوظ ہوں جیسا کہ اس حدیث میں ضعف، پس جو شیخ قاسمی نے اصلاح المساجد کے صفحہ ۱۰۷ پر نقل کیا اہل جرح وتعدیل سے، کہ بیشک نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، پس یہ اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے، اور اگر ان میں سے کسی ایک نے اسی طرح کے قول کا اطلاق کیا ہے پس اس پر یہ حکم جلدی اور کم کوشش کرنے اور ان کی مثل جو تیرے سامنے طرق ہیں کو تلاش نہ کرنے کی وجہ سے، واللہ تعالی ھو الموفق۔

حدیث نمبر(8):

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بِشْرَانَ الْعَدْلُ بِبَغْدَادَ قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو

جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّزَّازُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الرِّيَاحِيُّ، حَدَّثَنَا جَامِعُ بْنُ الصُّبَيْحِ الرُّمَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَادَى مُنَادٍ: هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ؟ فَلَا يَسْأَلُ أَحَدٌ شَيْئًا إِلَّا أُعْطِيَ إِلَّا زَانِيَةً بِفَرْجِهَا أَوْ مُشْرِكًا "۔ (أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۵/۳۶۲ (۳۵۵۵)، وفي فضل الأوقات ۱۲۵۔ ۱۲۶ (۲۵) والخلال في المجالس العشرة (۴)، والخرائطي في مساوي الاخلاق (۴۶۷)۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نصف شعبان کی رات آتی ہے تو پکارنے والا پکارتا ہے کوئی ہے جو گناہوں سے مغفرت چاہے؟ میں اسے معاف کردوں۔ کوئی ہے مانگنے والا؟ میں اسے عطا کروں؟ پس کوئی سوالی ایسا نہیں کہ کچھ مانگے مگر اس کو عطا کردیا جاتا ہے سوائے زانیہ عورت یا مشرک کے۔

حدیث نمبر(9):

حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ فِيهَا الذُّنُوبَ إِلاَّ لِمُشْرِكٍ، أَوْ مُشَاحِنٍ۔(أخرجه الدارقطني في النزول ۱۲۵۔ ۱۲۶ (۸۲۔۸۴)، والبيهقي في شعب الايمان ۵/۳۵۹ (۳۵۵۰)، وفي فضائل الأوقات ۱۲۲، وابن أبي شيبة في المصنف ۱۰/۴۳۸ وعبد الرزاق في المصنف ۴/۳۱۷، والحارث في مسنده (بغية الباحث (۳۳۵)، والشجري في أماليه (۱۳۴۴)، قلت: هذا مرسل، رجاله ثقات۔

حضرت کثیر بن مرہ سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالی نصف شعبان کی رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، پس ہر اس کی بخشش فرمادیتا ہے جو اس

سے بخشش طلب کرے سوائے مشرک اور کینہ پرور کے‘‘۔

اس حدیث کی سند ثقہ اور مرسل ہے۔

نوٹ۔اب قارئین کرام کے علمی ذوق اور مطالعہ کے لئے ۲ مضامین پیش خدمت ہیں۔

اول: حدیث ضعیف+حدیث ضعیف=حدیث حسن، یعنی جس حدیث کی سند ضعیف ہو تو اس کی دوسری اسانید اور شواہد مل کر اس حدیث کو حسن بناتے ہیں۔اور جمہور محدثین کرام چند شرائط کے ساتھ حدیث حسن لغیرہ سے استدلال کرتی ہے۔

ضعیف احادیث کی حجیت:

سند ضعیف+سند ضعیف=سند ’’حسن لغیرہ‘‘ کی حجیت

جس حدیث میں ضعف خفیف ہوں اور اسکی متعدد اسانید ہوں تو چند شرائط کے پیش نظر وہ روایت حسن لغیرہ بنتی ہے۔اور حسن لغیرہ سے محدثین اپنے دائرہ کار میں احتجاج اور استدلال کرتے ہیں۔اور مخالفین میں سے بھی اکثر لوگ اس اصول سے متفق ہیں۔ چند لوگ اس سے متفق نہیں اور وہ جو اشکالات پیش کرتے ہیں، وہ اشکالات علمی لحاظ سے بہت کمزور ہیں۔اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا جا سکتا ہے۔اور بہت سارے محققین نے اس موضوع پر درجنوں کتابیں لکھیں ہیں۔مگر مناسب یہ ہے کہ مخالفین کے اپنے ہی گھر سے تحقیق پیش کی جائے تا کہ اہل سنت و جماعت پر یہ الزام نہ آئے کہ اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے اصول بنائے ہیں۔یہ مضمون جناب ابن البشیر الحسینوی صاحب غیر مقلد، ساکن قصور کا ہے جنھوں نے یہ مضمون اپنے ہی جماعت کے غیر مقلد زبیر علی زئی کے خلاف لکھا۔اور ان کے اشکالات کا جواب دیا۔

قارئین خود فیصلہ کریں کہ حق بات کہنے والا کون ہے۔اللہ تعالی ہمیں حق بات کہنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ: [ابن البشیر الحسینوی کے مضمون میں غیر مقلد علماء کے نام کے ساتھ جو القابات لگے ہیں، یہ انکی اپنی تحریر ہے تا کہ قطع و برید کا الزام نہ لگے۔راقم کا ایسے القابات سے کوئی تعلق

نہیں۔]

مضمون: حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات

مضمون نگار: مولانا ابن بشیر الحسینوی، ساکن قصور

[ابن البشیر الحسینوی صاحب کی تحریر شروع ہوئی۔]

پہلا اشکال:

’’بعض لوگ ضعیف+ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں۔‘‘

جواب: حسن لغیرہ کو ماننے والے جمہور علما ہیں نہ کہ بعض لوگ، چنانچہ ذیل میں ہم بعض علما و محدثین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔امام ترمذیؒ:

’’امام ترمذی کے علاوہ عام محدثین سے ایسی ’’حسن لغیرہ‘‘ روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں۔‘‘
(علمی مقالات:۱/۳۰۰)

معلوم ہوا کہ امام ترمذی حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔والحمدللہ

۲۔امام بیہقی۔(معرفۃ السنن والآثار:۱/۳۴۸،نصب الرایۃ:۱/۹۳)

۳۔نووی (اربعین نووی حدیث نمبر:۳۲)

۴۔ابن الصلاح (مقدمۃ علوم الحدیث صفحہ:۳۷)

۵۔امام ابن قطان (النکت علیٰ ابن الصلاح لابن حجر: صفحہ ۱۲۶،طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

۶۔ابن رجب حنبلی (جامع العلوم والحکم صفحہ:۳۰۲)

۷۔ابن تیمیہؒ (مجموع الفتاویٰ:۱/۲۵۱)

۸۔ابن قیم (جلاء الافہام صفحہ:۱۹۹)

۹۔حافظ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری:۳/۱۸۸)

۱۰۔ابن کثیر (اختصار علوم الحدیث صفحہ:۴۹،۵۰)

۱۱۔حافظ سخاوی (فتح المغیث)

۱۲۔سیوطی (تدریب الراوی:۱ / ۱۶۰)

۱۳۔علامہ مناوی (شرح الجامع الصغیر: ۹۸۲، ۷ ۱۳)

۱۴۔زرقانی (شرح الزرقانی:۱ / ۶۸)

۱۵۔شمس الحق عظیم آبادی (عون المعبود:۹ / ۲۹۱)

۱۶۔عبدالرحمن مبارکپوری (مقدمہ تحفۃ الأحوذی:۱۵۲)

۱۷۔عبیداللہ مبارکپوری۔ (مرعاۃ:۲ صفحہ ۵۱۱)

۱۸۔طاہرالجزائری (توجیہ النظر:۵۰۶)

۱۹۔امام ناصرالدین البانی۔

۲۰۔جمال الدین قاسمی (قواعد التحدیث صفحہ:۲۶)

۲۱۔دکتورحمزہ ملیباری (الموازنہ صفحہ:۴۹)

۲۲۔محدث کبیراستاذ محترم ارشادالحق اثری۔

۲۳۔غازی عزیز مبارکپوری (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحہ:۱۹۲)

۲۴۔امام العصرعلامہ ابواسحاق الحوینی (کشف المخبوء صفحہ:۲۳)

۲۵۔الدکتورخالدبن منصورالدریس (آراءالمحدثین فی الحسن لذاتہ ولغیرہ)

۲۶۔محدث حجاز۔عبدالمحسن العباد (شرح سنن ابی داود (۱۵ / ۱۳۳، ۱۴ / ۴۹، ۳ / ۳۴۵)

علاوہ ازیں امام سفیان بن عیینہ، امام شافعی، یحیٰی بن سعید قطان، محمد بن یحیٰی ذہلی، امام بخاری، امام ترمذی، امام دارقطنی، ابن ترکمانی، حافظ علائی، حافظ ذہبی، حافظ عراقی سے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ان اقوال کی تفصیل کا طالب شیخ ابن ابی العینین کی کتاب ’’القول الحسن‘‘ کا مطالعہ کرے۔

جوعلماء ومحدثین حسن لغیرہ کو قابل عمل واحتجاج سمجھتے ہیں ان کے ناموں کا ذکر کرنے کا مقصود صرف یہ تھا ’’بعض لوگ ضعیف+ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن

لغیرہ قرار دیتے ہیں۔‘‘ درست نہیں ہے

دوسرا اشکال:

لیکن حافظ ابن حزم اس اصول کے سخت خلاف تھے بلکہ زرکشی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے:

’’ولو بلغت طرق الضعیف ألفاً لا یقوی......‘‘ ’’اور اگر ضعیف حدیث کی ہزار سندیں بھی ہوں تو اس سے روایت قوی نہیں ہوتی......‘‘ اگرچہ زرکشی نے اسے شاذ اور مردود کہا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ یہی قول راجح اور صحیح ہے۔‘‘

یہ قول محمد احمد جلمد نے بھی اپنی کتاب الحدیث الحسن بین الحد والحجیۃ میں بطور دلیل پیش کیا ہے!

جواب:

۱۔یہ قول بے سند ہے

۲۔امام زرکشی نے اس قول کو شاذ ومردود کہا ہے

’’اگرچہ امام زرکشی نے اسے شاذ اور مردود کہا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ قول راجح اور صحیح ہے۔‘‘

اور امام ابن حزم کے قول کی تردید کے لیے امام زرکشی کی عبارت ہی کافی ہے

تیسرا اشکال:

حسن لغیرہ کے مسئلے پر عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم کی کتاب ’’الحسن لمجموع الطرق في میزان الاحتجاج بین المتقدمین والمتأخرین‘‘ بہت مفید ہے۔

جواب:

قارئین سے گزارش ہے کہ اس مسئلے پر راہِ انصاف کو پانے کے لیے مندرجہ ذیل کتب بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں مذکورہ بالا کتاب اور اس مسئلے پر شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے:

۱۔القول الحسن في کشف شبهات حول الاحتجاج بالحدیث الحسن مع تصویب الأسنة لصد عدوان المعترض علی الأئمة للشیخ ابن أبي العینین۔

۲۔الرد علی کتاب الحسن بمجموع الطرق في میزان الاحتجاج بین المتقدمین

و المتأخرين للشيخ أبي المنذر المنياوي۔

۳۔ الحديث الحسن لذاته و لغيره للدكتور خالد بن منصور الدريس۔

۴۔ مناهج المحدثين في تقوية الأحاديث الحسنة و الضعيفة للدكتور المرتضیٰ زين أحمد۔

۵۔ حسن لغیرہ للحافظ خبيب أحمد الاثری۔

کیا ابن قطان کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

چوتھا اشکال:

حافظ ابن القطان الفاسی نے حسن لغیرہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ: ''لا يحتج به كله بل يعمل به في فضائل الأعمال......'' ''اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے......۔(النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۴۰۲)

''حافظ ابن حجر نے اس قول کو ''حسن قوی'' یعنی اچھا مضبوط قرار دیا ہے۔''

جواب:

۱۔ پہلے امام ابن قطان کا مکمل قول ملاحظہ ہو:

''لا يحتج به كله بل يعمل به في فضائل الأعمال ويتوقف عن العمل به في الأحكام إلا إذا كثرت طرقه أو عضده اتصال عمل أو موافقة شاهد صحيح أو ظاهر القرآن۔''

(النکت لابن حجر: ۴۰۲)

''اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاسکتی بلکہ اس کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے اور احکام میں اس کے ساتھ عمل میں توقف کیا جاتا ہے مگر جب اس کے طرق زیادہ ہوں یا اس کو مضبوط کرے کوئی متصل عمل، صحیح شاہد یا قرآن کے ظاہر کا اس کے ساتھ موافقت کرنا۔''

امام ابن قطان تو کہہ رہے ہیں کہ اگر کثرت طرق ہوں تو عمل کیا جائے گا

انصاف شرط ہے کوئی بھی عالم دین اس مکمل قول کو پڑھے تو فوراً سمجھ جائے گا کہ امام ابن قطان تو حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت کر رہے ہیں اور ابن حجر نے بھی جو اس قول کو ''اچھا اور قوی قرار دیا

ہے'' تو انھوں نے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا مراد لیا ہے۔

۲۔ کئی علماء نے ابن قطان کی عبارت کو حسن لغیرہ کی حجیت میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً امام سخاوی (فتح المغیث، ص:۴۹) طاہر الجزائری (توجیہ النظر صفحہ: ۵۰۶) جمال الدین قاسمی (قواعد التحدیث صفحہ: ۶۶) دکتور حمزہ ملیباری (الموازنہ، صفحہ: ۴۹) علامہ ابو اسحاق الحوینی (کشف المخبوئ، صفحہ: ۲۳) غازی عزیز مبارکپوری (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحہ: ۱۹۳)

کیا حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

حافظ ابن حجرؒ کی کتب کا مطالعہ کرنے والا طالب علم بھی اس بات کی شہادت دے گا کہ حافظ ابن حجر حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ''جب ''سیئ الحفظ'' کی کسی ایسے قابل اعتبار راوی سے تائید ہو رہی ہو کہ وہ اس راوی سے بڑھ کر ہو یا کم از کم اس جیسا ہو اس سے کم تر نہ ہو تو ان کی حدیث حسن ہو جائے گی مگر حسن لذاتہ نہیں ہوگی بلکہ اس کا حسن بننا متابع اور متابع کے مجموعے سے ہوگا۔'' (النزھۃ، ص: ۴۸، النکت، ص: ۱۳۹)

کیا حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

چھٹا اشکال:

حافظ ابن کثیر نے فرمایا:

''مناظرے میں یہ کافی ہے کہ مخالف کی بیان کردہ سند کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے، وہ لاجواب ہو جائے گا کیونکہ اصل یہ ہے کہ دوسری تمام روایات معدوم ہیں۔ الا کہ دوسری سند سے ثابت ہو جائیں۔'' (اختصار علوم الحدیث: 1/275,274، نوع: 22،)

جواب:

۱۔ حافظ ابن کثیرؒ کے اس قول کا حسن لغیرہ کی حجیت اور عدمِ حجیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ہر شخص بآسانی اصل کتاب کی طرف مراجعت کرنے کے بعد معلوم کر سکتا ہے۔

۲۔ حافظ ابن کثیرؒ اختصار علوم الحدیث (صفحہ: ۴۹، ۵۰) میں نقل کرتے ہیں:

"و منه ضعف يزول بالمتابعة، كما إذا كان راويه سيء الحفظ، أو روى الحديث مرسلاً، فإن المتابعة تنفع حينئذٍ، و يرفع الحديث في حيز الضعف إلى أوج الحسنى أو الصحة. و الله أعلم" "بعض ضعف متابعت سے زائل ہوجاتا ہے جیسا کہ راوی سیی ء الحفظ (برے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہو کر حسن یا صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔"

(اختصار علوم الحدیث اردو:۲۹)

معلوم ہوا کہ ابن کثیر تو ابن الصلاح کے اس قول کو حسن لغیرہ کی حجیت میں نقل کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن کثیر کا اپنا موقف بھی یہی ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔

۳۔ اور تفسیر ابن کثیر (۱/۱۷۰، ۲/۱۹۶) پڑھیں تو وہاں بھی ابن کثیر نے حسن لغیرہ کو حجت تسلیم کیا ہے۔

حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات قسط 2

ساتواں اشکال: بسا اوقات کسی ضعیف حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں یا اس کے ضعیف شواہد موجود ہوتے ہے، مگر اس کے باوجود محدثین اسے حسن لغیرہ کے درجے میں نہیں لاتے۔

جواب: حسن لغیرہ کی عدمِ حجیت کے بارے میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے اور اسی سے وہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ اس کا جواب ہم محترم حافظ خبیب احمد الاثری کی قیمتی کتاب "مقالات اثریہ" سے نقل کرتے ہیں۔ کثرتِ طرق کے باوجود حدیث کو مقبول نہ ماننے کی وجوہات کا بیان۔ عدمِ تقویت کے اسباب: ایسی حدیث کے حسن لغیرہ نہ ہونے میں پہلا سبب یہ ہے کہ ناقد سمجھتا ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں شاہد حدیث کے کسی راوی نے غلطی کی ہے، لہٰذا غلط متابع یا غلط شاہد ضعف کے احتمال کو رفع نہیں کر سکتے۔ اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک حدیث کی دو سندیں ہیں، اس کی ایک سند کے راوی کے بارے میں راجح یہ ہے کہ اس نے سند یا متن میں غلطی کی ہے، یعنی وہ دوسروں کی مخالفت کرتا ہے، یا اس سے بیان کرتے ہوئے راویان مضطرب ہیں تو ایسی سند دوسری سند سے مل کر تقویت حاصل نہیں کر سکتی۔ اسے تطبیقی انداز

میں یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ امام حاکم نے سفیان بن حسین عن الزہری ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے، پھر اس کا مرسل شاہد (ابن المبارک عن الزہری) ذکر کیا، اس مرفوع حدیث میں جس ضعف کا شبہ تھا اسے مرسل حدیث سے دور کرنے کی کوشش کی۔ (المستدرک: ۱/ ۳۹۲۔ ۳۹۳) مگر حافظ ابن حجر اس مرفوع حدیث کو اس مرسل روایت سے تقویت دینے کے قائل نہیں کیونکہ سفیان بن حسین، امام زہری سے بیان کرنے میں متکلم فیہ ہے، بنابریں اس نے یہ روایت امام ابن المبارک کے برعکس مرفوع بیان کی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "قلت: بل هو علته۔" تغلیق التعلیق لابن حجر (۳/ ۱۷) کہ ابن المبارک کا اس حدیث کو زہری سے مرسل بیان کرنا سفیان کی غلطی کی دلیل ہے، لہٰذا یہ روایت مرسل ہی راجح ہے اور وہ مرفوع کو تقویت نہیں دیتی، کیونکہ اس کا مرفوع بیان کرنا غلط ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ امام حاکم ایک حدیث کو متاخرین کی اصطلاح کے مطابق حسن لغیرہ قرار دے رہے ہیں، اسی حدیث کو حافظ ابن حجر مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دے رہے ہیں، کیونکہ حافظ صاحب کے نزدیک مرفوع بیان کرنا غلطی ہے، جس کی وجہ مرسل روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینے کے لیے قرائن کو پیشِ نظر رکھتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی تغلیق التعلیق میں ذکر کیا ہے، ضعیف+ضعیف کو مطلق طور پر حسن لغیرہ قرار دینا محدثین کا منہج نہیں ہے۔ بسا اوقات کوئی محدث کسی حدیث کو تقویت دینے میں وہم کا شکار ہو جاتا ہے جو کہ استثنائی صورت ہے، اس سے حسن لغیرہ کے حجت ہونے میں قطعی طور پر زد نہیں پڑتی، کسی حدیث کے حسن لغیرہ ہونے یا نہ ہونے میں محدثین کا اختلاف ہوتا ہے، حقائق بھی اس کے مؤید ہیں، مگر ان سب کے باوجود محدثین حسن لغیرہ کے حجیت کے قائل ہیں۔ کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینا ایک اجتہادی امر ہے، جس میں صواب اور غلط دونوں کا امکان ہوتا ہے، جس طرح راویان کی توثیق و تجریح بھی اجتہادی امر ہے، اسی طرح غلط اور صحیح کا تعین بھی اجتہادی معاملہ ہے، جس کا فیصلہ قرائن کے پیشِ نظر ہوتا ہے، ملحوظ رہے کہ راوی کی غلط متابعت سے دور نہیں ہوتی، خواہ وہ حافظ راوی کی ہو۔ دوسرا سبب: حدیث میں فرضیت یا حرمت ہو: ایسی حدیث جس میں کسی چیز کی فرضیت

(جس کا تارک گناہ گار ہو) یا حرمت (جس کا مرتکب گناہ گار ہو) ہو تو ایسی ضعیف حدیث کو محدثین حسن لغیرہ قرار دینے میں تأمل کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان میں سے بعض کے نزدیک یہ دونوں چیزیں یا ایک چیز صحیح سند (صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، صحیح لغیرہ) سے ثابت ہونا ضروری ہے، جیسا کہ امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ نے فرمایا: ''مراسیل سے حجت نہیں پکڑی جائے گی، حجت محض صحیح اور متصل سندوں سے پکڑی جائے گی۔'' امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: ''میرا بھی یہی موقف ہے۔'' المراسیل لابن أبي حاتم (ص: ۷) فضائل، رقائق بلکہ احکامِ شرعیہ میں محدثین حسن لغیرہ روایات قبول کرتے ہیں، بلکہ جن کا ضعف خفیف ہو اس سے بھی استدلال کرتے ہیں، جیسا کہ وضو سے پہلے تسمیہ کے بارے میں ہے۔ مگر جن مسائل کا تعلق عقائد سے ہوئے اس میں محدثین وہی احادیث قبول کرتے ہیں جو صحیح ہوں، وہ حسن لغیرہ سے استدلال نہیں کرتے۔ تیسرا: ضعیف راوی کا تفرد: جس ضعیف حدیث کو بیان کرنے میں راوی اپنے شیخ سے منفرد ہو تو محدثین ایسے تفرد کو قابلِ تقویت نہیں سمجھتے، مثلاً وہ کسی مشہور سند سے کوئی ایسی منفرد حدیث بیان کرتا ہے جو اس شیخ کے مشہور شاگرد بیان نہیں کرتے یعنی وہ امام زہری یا امام سفیان ثوری جیسے شیخ سے روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔ ایسی صورت میں محدثین زیادۃ الثقہ کو مطلق طور پر قبول نہیں کرتے، چہ جائیکہ وہ زیادۃ الضعیف کو تقویت دیں۔ جب ضعیف راوی کسی مشہور سند سے حدیث بیان کرنے میں منفرد ہوگا تو اس کی غلطی کا قوی یقین ہو جائے گا یا یہ تصور کیا جائے گا کہ اسے کسی اور روایت کا شبہ ہے، یا اس کی حدیث میں دوسری حدیث داخل ہوگئی ہے یا اسے وہم ہوا کہ اس سند سے یہ متن مروی ہے یا اسے تلقین کی گئی تو اس نے قبول کر لی یا اس کی کتاب وغیرہ میں حدیث داخل کر دی گئی اور وہ اس سے بے خبر رہا۔ چوتھا سبب: جب ایک سے زائد سبب ضعف ہوں: جب حدیث کی کسی سند میں ایک سے زائد ضعف ہوں مثلاً روایت میں انقطاع بھی ہے اور راوی بھی ضعیف ہے، یا اس میں دو راویان ضعیف ہیں تو بسا اوقات محدثین ایسی سند کو قبول نہیں کرتے کیونکہ اس میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے، امام حاکم نے الاکلیل میں اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔

علی بن قادم، اس کا استاذ (ابو العلاء خالد بن طہمان) اور اس کا استاد (عطیہ) کوفی اور شیعہ ہیں، ان میں کلام ہے، ان میں سب سے زیادہ ضعیف عطیہ ہے، اگر اس کی متابعت ہوتی تو میں اس حدیث کو حسن (لغیرہ) قرار دیتا۔'' موافقۃ الخُبر الخَبر (۱/ ۲۴۵) حافظ ابن حجر نے اس کے بعد اس کے شواہد بیان کیے ہیں مگر اس کے باوجود اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار نہیں دیا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک سے زائد وجہِ ضعف ہے۔ ملاحظہ ہو: موافقۃ الخُبر الخَبر (۱/ ۲۴۵۔۲۴۷) دیگر اسبابِ ضعف: بعض ایسے ضعف کے اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے حدیث میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور یہ اسباب متعدد ہیں جن کا شمار مشکل ہے، تاہم ذیل میں چند اسباب بیان کیے جاتے ہیں: ۱۔ اگر سند میں مبہم راوی ہو، اس کا شاگرد اپنے اساتذہ سے بیان کرنے میں احتیاط نہ کرتا ہو تو ایسی روایت متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔ ۲۔ سند میں راوی کی کنیت مذکور ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے؟ ۳۔ اس میں متروک اور انتہائی کمزور راویوں کی منقطع اور مرسل روایات بھی داخل ہیں۔ ۴۔ جب ضعیف راوی کسی حدیث کو مرسل بیان کر دے، مثلاً امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''ابن بیلمانی ضعیف ہے، جب وہ موصول حدیث بیان کرے تو وہ حجت نہیں، جب وہ مرسل بیان کرے تو کیسے حجت ہو سکتا ہے؟'' سنن الدارقطنی (۳/ ۱۳۵) (مقالات اثریہ، از حافظ خبیب احمد)

حسن لغیرہ کی حجیت اور علمائے اہلحدیث:

ہم اس بحث میں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حسن لغیرہ کی حجیت موجودہ تمام اہلحدیث علماء تسلیم کرتے ہیں چنانچہ ذیل میں ان کے اسماء پیش خدمت ہیں:

۱۔ حافظ عبد المنان نور پوری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالا)
۲۔ شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ (مدیر ادارۃ علوم اثریہ فیصل آباد)
۳۔ شیخ رفیق اثری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ جلالپور)
۴۔ حافظ عبد العزیز علوی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد)
۵۔ حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ لاہور)

٦۔شیخ عبداللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مرکز الدعوۃ السّلفیہ ستیانہ بنگلہ)
٧۔حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد)
٨۔شیخ عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مدرسہ مرآۃ القرآن منڈی واربرٹن)
٩۔شیخ الیاس اثری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث)
١٠۔حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مرکز الدراسات خانیوال)
١١۔حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مرکز طیبہ مریدکے)
١٢۔شیخ محمد یوسف قصوری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمد بن اسماعیل البخاری گندھیاں اوتاڑ قصور)
١٣۔شیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ معھد القرآن، کراچی)
١٤۔حافظ ثناء اللہ الزاہدی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ امام بخاری)
١٥۔شیخ عبداللہ رفیق حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ لوکو ورکشاپ لاہور)
١٦۔مفتی عبیداللہ عفیف حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ قدس اہلحدیث لاہور)
١٧۔شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث پشاور)
١٨۔شیخ غلام اللہ رحمتی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث پشاور)
١٩۔شیخ۔عبدالسلام رستمی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث پشاور)
٢٠۔شیخ عبدالروف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو حفظہ اللہ
٢١۔شیخ امین محمدی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث گوجرانوالہ)
٢٢۔شیخ ابوصہیب داود ارشد حفظہ اللہ
٢٣۔مفتی مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ
٢٤۔مفتی عبدالحنان حفظہ اللہ (مفتی جامعہ سلفیہ فیصل آباد) وغیرہ

کسی اصول میں اختلاف ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں جو کسی کو صحیح موقف لگتا ہے وہ اس کو اپنائے اور علماء کا احترام انتہائی ضروری ہے۔

آٹھواں اشکال:

غلط، غلط کو تقویت نہیں پہنچا سکتا۔ متقدمین محدثین بعض احادیث کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ ''کلھا ضعیفۃ'' یا ''أسانیدھا کلھا معلولۃ'' وغیرہ، ان سے حسن لغیرہ کو حجت نہ سمجھنے والے استدلال کرتے ہیں حالانکہ ان روایات میں راوی کی کئی اغلاط ہوتی ہیں۔

محترم حافظ خبیب الاثری لکھتے ہیں:

''چنانچہ اسی حوالے سے امام البانی رقمطراز ہیں:

''أن الشاذ والمنکر مردود، لأنہ خطأ والخطأ لایتقوی بہ۔''

''شاذ اور منکر قابلِ ردّ ہے کیونکہ وہ غلط ہے اور غلط سے تقویت حاصل نہیں کی جاسکتی۔''

نیز فرمایا:

''وما ثبت خطؤہ فلا یعقل أن یقوی بہ روایۃ أخری في معناھا، فثبت أن الشاذ والمنکر مما لا یعتد بہ ولا یستشھد بہ، بل إن وجودہ وعدمہ سوائٌ۔''

''اور جس (سند یا متن) کا غلط ہونا ثابت ہوجائے تو یہ معقول نہیں کہ اس کے ہم معنی روایت اسے تقویت پہنچائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاذ اور منکر حدیث کی وہ اقسام ہیں جو کسی قطار وشمار میں نہیں اور نہ انھیں بطورِ شاہد پیش کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کا وجود اور عدمِ وجود دونوں برابر ہیں۔'' (صلاۃ التراویح للالبانی، ص:٥٧)

اسی لیے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ ''والمنکر أبدا منکر'' کہ ''منکر روایت ہمیشہ منکر ہی رہتی ہے۔''

(العلل ومعرفۃ الرجال روایۃ المروذی، ص:١٦٧، رقم:٢٨٧۔ ومسائل الامام أحمد روایۃ ابن ہانی، ج:٢ص:١٦٧، رقم:١٩٢٥)

اسی مفہوم کو شیخ طارق بن عوض اللہ نے اپنی کتاب ''الارشادات فی تقویۃ الآحادیث بالشواہد والمتابعات'' کے مقدمہ میں بڑے بسط سے بیان کیا ہے۔ (مقالات اثریہ، از حافظ خبیب احمد)

حسن لغیرہ کے متعلق اشکالات اوران کے جوابات

١۔محدث یمن مقبل بن ھادی کے نزدیک حسن لغیرہ کی حجیت:

مقبل بن ھادی کی متقدمین کے متعلق عبارتیں نقل کرنا کہ تحقیق حدیث میں متقدمین کی تحقیق معتبر ہے۔اور اس سے نتیجہ یہ نکالا جائے کہ جب متقدمین کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں تو ان کی بات ہی مانی جائے گی؟؟۔

حسن لغیرہ کا انکار کرنے والے کے بارے میں یمن کے عظیم محدث علامہ مقبل بن ہادی فرماتے ہیں:

’’أما الذين يردون الحسن لغيره، فإن كان في بعض المواضع أداهم اجتهادهم وهم أهل لذلك. إلى أن الحديث لا يرتقي إلى الحسن لغيره فلهم ذلك، وأما رده بالكلية فهذه خطوة إلى رد السنن۔‘‘(القول الحسن،ص:۷)

’’جو لوگ حسن لغیرہ حدیث کو رد کرتے ہیں اگر بعض مواقع پر ان کا اجتہاد، بشرطیکہ وہ اجتہاد کے اہل بھی ہوں، یہ ہو کہ یہ حدیث درجہ حسن لغیرہ کو نہیں پہنچتی تو ان کو یہ حق حاصل ہے۔رہی یہ بات کہ بالکلیہ حسن لغیرہ حدیث کو رد کیا جائے تو یہ سنتوں کو ٹھکرا دینے کی طرف ایک قدم ہے۔‘‘

اس قول سے آپ اندازہ لگائیں کہ محدث یمن علامہ مقبل بن ہادی کتنے سخت خلاف ہیں ان لوگوں کے جو حسن لغیرہ کو حجت نہیں مانتے حالانکہ وہ متقدمین کے علم وفضل کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

’’و نحن ما نظن أن المتأخرين يعثرون على ما لم يعثر عليه المتقدمون اللهم إلا في النادر۔‘‘(أسئلة في المصطلح، السؤال:۲۰)

’’ہمارا نہیں خیال کہ متاخرین اس بات پر اطلاع پالیں جس پر متاخرین اطلاع نہ پاسکے ہوں، ہاں کبھی کبھار ایسا ہوسکتا ہے۔‘‘

نیز ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’أروني شخصا يحفظ مثل ما يحفظ البخاري، أو أحمد بن حنبل، أو تكون له معرفة بعلم الرجال مثل يحيىٰ بن معين، أو له معرفة بالعلل مثل علي بن المديني،

والدارقطني، بل مثل معشار الواحد من هولاء، ففرق كبير بين المتقدمين والمتأخرين۔‘‘(أيضا)

’’مجھے ایک ایسا شخص دکھائیں جو امام بخاری یا امام احمد بن حنبل کی طرح کا حافظہ رکھتا ہو یا اسے امام یحییٰ بن معین کی طرح علم رجال کی معرفت ہو یا اسے امام علی بن مدینی اور امام دارقطنی کی طرح علل حدیث کی معرفت ہو، بلکہ ان کے عشر عشیر کے برابر بھی موجودہ دور میں کوئی نہیں۔لہٰذا متقدمین اور متاخرین میں بہت فرق ہے۔‘‘

اس سے ہر منصف مزاج شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ متقدمین کے علوم وفنون کے اس قدر اعتراف کے باوجود بھی وہ کہتے ہیں کہ حسن لغیرہ کو مطلقاً حجت نہ سمجھنے والا شخص سنتوں کو ٹھکرانے والا ہے۔تو اب آپ غور کریں:

۱۔کیا علامہ مقبل بن ہادیؒ متقدمین کو سنتوں کا ٹھکرانے والا کہہ رہے ہیں؟

۲۔کیا وہ ایک جگہ متقدمین کو لیتے ہیں (کہ ان کی بات ہی معتبر ہے) اور دوسری جگہ (حسن لغیرہ کی عدمِ حجیت) ان کو چھوڑ رہے ہیں؟

۳۔علامہ مقبل بن ہادی اپنے شاگرد ابن ابی العینین کی کتاب ’’القول الحسن‘‘ کے متعلق لکھتے ہیں:

’’فقد اطلعت على جل كتاب أخينا في الله الشيخ أحمد بن إبراهيم بن أبي العينين، الذي كتبه في الحديث الحسن، فوجدت الكتاب قد اشتمل على فوائد تشد لها الرحال، فلله در من باحث، لقد أعطاه الله صبرا و فهما ودراية، فلا يخرج من البحث إلا بنتائج طيبة مفيدة لطالب العلم۔‘‘(مقدمة القول الحسن ص:۵)

اور اسی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

’’وأخيرا فقد كفانا أخونا في الله الشيخ أحمد بن أبي العينين الرد على هؤلاء وأولئك، فجزاه الله خيرا۔‘‘(أيضا ص:۸)

۴۔اور اسی کتاب میں امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شافعی، یحییٰ بن سعید القطان، احمد بن

حنبل، ترمذی، ابن عدی، محمد بن یحییٰ الذہلی، بخاری، ابوحاتم الرازی، نسائی، ابوداود السجستانی، دارقطنی وغیرہم کے اقوال ونصوص کی روشنی میں ائمۂ متقدمین کے نزدیک حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کا اثبات کیا گیا ہے، بلفظ دیگر علامہ مقبل بن ہادی کے نزدیک بھی متقدمین کے نزدیک حسن لغیرہ حجت ہے۔ والحمدللہ

حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات اوران کے جوابات قسط 3

حسن لغیرہ کا حجت ہونا متقدمین سے ثابت نہیں ہے؟۔ جواب: ۱۔ یہ بات کئی وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے۔ اس کے متعلق محدث سندھ شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی فرماتے ہیں: ''لیکن میرے محترم یہ کوئی کلیہ تو نہیں کہ متقدم جو بھی کہے وہ صحیح ہوتا ہے اور جو ان سے متاخر کہے وہ صحیح نہیں ہوتا۔'' (مقالات راشدیہ ص: ۳۳۲) نیز فرماتے ہیں: ''کسی کا زمانے کے لحاظ سے متقدم ہونا یہ کوئی دلیل نہیں کہ جو ان سے زمناً متاخر ہو اس کی بات صحیح نہیں۔ اعتبار تو دلائل کو ہے نہ کہ شخصیات کو۔'' (ایضا: ۳۳۳) نیز کہا: ''تو کیا آپ ایسے سب رواۃ (جن کی حافظ صاحب نے توثیق فرمائی اور ان کے بارے میں متقدمین میں سے کسی کی توثیق کی تصریح نہیں فرمائی) کے متعلق یہی فرمائیں گے کہ ان کی توثیق مقبول نہیں یہ ان کا اپنا خیال ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس طرح آپ اس جلیل القدر حافظ حدیث اور نقد الرجال میں استقراء تام رکھنے والے کی ساری مساعی جمیلہ پر پانی پھیر دیں گے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ جناب کے اس نہج پر سوچنے کی زد کہاں کہاں تک پہنچ کر رہے گی۔'' (ایضا: ۳۳۵) ۲۔ فضیلۃ الشیخ ابن ابی العینین فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: ''بعض طلبا جنھوں نے ماہر شیوخ سے بھی نہیں پڑھا وہ بعض نظری اقوال لے کر اپنے اصول وقواعد بنا رہے ہیں اور وہ کبار علما سے اختلاف کرتے ہیں۔ انھوں نے باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہم متقدمین کے پیروکار ہیں اور انھوں نے متاخرین کے منہج کو غلط قرار دیا ہے۔۔۔۔'' (القول الحسن، ص: ۱۰۳) ۳۔ متقدمین کی حسن لغیرہ کے متعلق کون سی بحثیں ہیں کن کے خلاف متاخرین نے اصول وضع کیے ہیں؟! ۴۔ متاخرین نے علم متقدمین سے ہی لیا ہے اور وہ انھیں کے انداز سے اصول متعین کرتے ہیں۔

محدثین کا اسماعیل بن ابی خالد کے عنعنہ کو قبول کرنا: متعدد متقدمین محدثین نے اسماعیل بن ابی خالد کے بدونِ تدلیس عنعنہ کو قبول کیا ہے۔ اور ہمارے اساتذہ کرام میں سے بعض علماء ان کی عن روایات کو ضعیف کہتے ہیں مثلاً دیکھئے: ''اسماعیل بن ابی خالد عنعن وهو مدلس (طبقات المدلسین: ۳۶/ ۲ وهو من الثالثة) (انوار الصحیفة فی الاحادیث الضعیفة من السنن الاربعة ص: ۱۰۶ ح ۲۹۳۰، ص ۱۵۲ ح ۴۲۷۰، ص ۳۴۷ ح: ۱۶۱۲) نیز دیکھیے (الفتح المبین ص: ۳۳) ذیل میں محدثین کے نام جو ابن ابی خالد کی بدون تدلیس عنعنہ کو قبول کرتے ہے، ان کے اسماء درج ہیں۔ ۱۔ امام ترمذی ۲۷۹ھ، سنن الترمذی (حدیث: ۲۵۵۱، ۳۰۵۷، ۳۸۲۱، وقال: حسن صحیح) و (حدیث: ۱۹۲۵، ۲۱۶۸ وقال: صحیح) و (حدیث: ۳۱۱۷، وقال: حسن صحیح غریب)۔ ۲۔ امام الائمة ابن خزیمہ ۳۱۱ھ۔ صحیح ابن خزیمة (۴/ ۱۳، ح: ۲۲۵۹) ۳۔ امام ابو عوانہ ۳۱۶ھ۔ مسند أبی عوانة، المستخرج علی صحیح مسلم (۱/ ۳۷، ۵۸، ۵۹، ۹۶، ۲۷۶ و ۲/ ۸۶ مرتین، ص: ۳۶۶)۔ ۴۔ امام ابو نُعیم ۴۳۰ھ۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم (۱/ ۱۳۷، ۱۳۸، ح: ۱۷۸ و ۲/ ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۹۴، ح: ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۲۰۴۶ و ۳/ ۱۰۹، ح: ۲۳۲۴ و ۴/ ۶۶، ح: ۳۲۴۵)۔ ۵۔ امام ابن الجارود ۳۰۷ھ۔ المنتقی (حدیث: ۳۳۴) اس کتاب کی روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱۴/ ۲۳۹) ۶۔ امام ابن حبان ۳۵۴ھ۔ صحیح ابن حبان (۱/ ۱۵۲، ۲۶۱۔ ۲۶۲ مرتین، ح: ۹۰، ۳۰۴، ۳۰۵ و ۳/ ۲۸۸، ح: ۲۱۳۴ و ۴/ ۲۸۵، ح: ۲۹۸۸ و ۵/ ۹۹، ح: ۲۳۲۳ و ۶/ ۱۷۵، ۲۶۸، ح: ۴۱۲۹، ۴۳۱۵ و ۷/ ۵۳، ۵۸۹، ح: ۵۶۴۴، ۵۹۵۳ و ۸/ ۱۱، ۱۲۱، ۱۶۲، ۲۳۷، ح: ۶۱۲۶، ۶۴۱۲، ۶۴۹۴، ۶۶۳۹۔۔۔)۔ ۷۔ امام حاکم ۴۰۵ھ۔ المستدرک (۱/ ۳۲۲۔ ۳۲۳ و ۲/ ۴۶۶، ۴۸۸ و ۳/ ۸۴، ۴۴۰ و ۴/ ۶، ۵۴۶، ۵۸۸) وقال: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه۔ و (۲/ ۱۵۷) وقال: هذا حدیث صحیح الإسناد علی شرط الشیخین ولم یخرجاه۔ و (۳/ ۹۹، ۴۹۹) وقال: هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه۔ ۸۔ ابوالحسن احمد بن محمد بن منصور عتیقی ۴۴۱ھ۔ (امام محدث ثقة)

المنتقی: حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن غالب برقانی خوارزمی ۴۲۵ھ (حافظ ثبت) فی "التخریج لصحیح الحدیث عن الشیوخ الثقات علی شرط کتاب محمد بن إسماعیل البخاري و کتاب مسلم بن الحجاج القشیری أو أحدهما" (التخریج علی الصحیحین) (ص:۳۹، حدیث: ۱۳ وقال هو حدیث صحیح) و (ص: ۵۲۔ ۵۳) حدیث: (۲۹، ۳۰) ۹۔ قاضی ابویعلی الفراء ۴۵۸ھ۔ في "ستة مجالس من أمالي" (ص: ۵۰، ح: ۲) وقال: هذا حدیث صحیح۔ ۱۰۔ محدث امام البانی ۱۴۲۰ھ۔ السلسلة الصحیحة (حدیث: ۴۷۵، ۷۶۴، ۷۶۸، ۸۰۸، ۸۳۳، ۱۲۵۳، ۱۵۶۴، ۱۸۷۶، ۲۶۶۳، ۲۸۲۵، ۲۸۳۱) ظلال الجنة (حدیث: ۳۹۲، ۳۹۶، ۴۴۶۔ ۴۵۱، ۴۶۱) وراجع: الصحیحة: (۳۰۵۶، ۷۳۹، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶) سنن أبي داوٗد (۷/ ۴۰۰، حدیث: ۲۳۸۰ و ۸/ ۱۰۸) صفة صلاة النبی (۳/ ۸۶۴) وغیرہ۔ تلک عشرة کاملة۔ ملحوظ رہے کہ بعض مقامات پر اسماعیل بن ابی خالد کے متابع یا شاہد موجود ہیں، مگر ہمارا مقصود صرف اس قدر ہے کہ محدثین نے اسماعیل کے عنعنہ بدونِ تدلیس کو باعثِ جرح قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ معترض باور کرار ہے ہیں۔ (مقالات اثریہ از: حافظ خبیب احمد الاثری)

گزارش ہے کہ متقدمین کے ہاں ابن ابی خالد کا عن مضر نہیں ہے اور یہی راجح ہے

۸۔ کیا متقدمین کا منہج تمام ائمۂ متاخرین نہ سمجھ سکے۔

۱۱۔ جب کوئی کہے کہ یہ موقف (حسن لغیرہ حجت ہے) بہت سے ائمہ متقدمین سے ثابت نہیں، مثلاً امام وکیع بن جراح، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام عبداللہ بن وہب۔۔۔امام محمد بن عمرو اور ابوجعفر العقیلی۔ تو یہ انداز درست نہیں کیونکہ ان محدثین کے ناموں کو کسی نے بھی پیش نہیں کیا کہ ان کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں!!

امام ترمذی کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟:

امام ترمذی ۲۷۹ھ کے نزدیک حسن لغیرہ حجت ہے۔

امام ترمذی کے علاوہ عام محدثین سے ایسی "حسن لغیرہ" روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں۔ (علمی مقالات: ۱/ ۳۰۰) معلوم ہوا کہ امام ترمذی بھی حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں

بعض اہل علم کا اعتراف ہی راجح ہے۔ کہ امام ترمذی کے نزدیک حسن لغیرہ حجت ہے۔

محترم حافظ خبیب احمد الاثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

حسن لغیرہ کو متعارف کروانے والے موصوف (امام ترمذی) ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"وما ذکرنا فی هذا الکتاب حدیث حسن، فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا۔ کل حدیث یروی لا یکون فی إسناده من یتهم بالکذب، ولا یکون الحدیث شاذاً، ویری من غیر وجه نحو ذلک فهو عندنا حدیث حسن۔"

"ہم نے اس کتاب "حدیث حسن" کی اصطلاح استعمال کی ہے، اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس کی سند ہمارے نزدیک حسن ہے اور وہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی نہ ہو جس پر جھوٹ کا الزام ہو۔ حدیث شاذ نہ ہو۔ اور وہ اپنے جیسی دوسری سند سے مروی ہو، وہ ہمارے نزدیک حسن ہے۔" (العلل الصغیر للترمذي (ص: ۸۹۸، المطبوع بآخر جامع الترمذي)

اس تعریف کا مصداق کیا ہے؟ محدثین نے اس پر خوب خبر دادِ تحقیق پیش کی ہیں، مصطلح کی کتب ان سے معمور ہیں، ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام ترمذیؒ ضعیف حدیث+ضعیف حدیث کی تقویت اور حجت کے قائل ہیں، بشرط کہ قرائن ایسی حدیث کی صحت کے متقاضی ہوں۔

حافظ برہان الدین بقاعی ۸۸۵ھ اپنے شیخ (حافظ ابن حجرؒ) سے نقل کرتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے حسن لغیرہ کو متعارف کروایا ہے۔ النکت الوفیة للبقاعي (۱/ ۲۲۴)

امام ابن سید الناسؒ فرماتے ہیں کہ وہ جس حدیث کو متعدد اسانید کی بنا پر حسن قرار دیتے ہیں وہ حسن لغیرہ ہے۔ النکت الوفیة (۱/ ۲۲۹)

حافظ بقاعیؒ نے اس موقف کی تائید کی ہے۔ النکت الوفیة (۱/ ۲۳۴)

امام ترمذیؒ ایسی احادیث کو بھی حسن گردانتے ہیں جو حسن لغیرہ سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں، مثلاً اس کی ذاتی سند مضبوط ہوتی ہے یا کوئی قوی متابع موجود ہوتا ہے یا کوئی عمدہ شاہد ہوتا ہے جو ضعیف سے مستغنی کر دیتا ہے۔

اگر ضعیف حدیث کی تائید ضعیف حدیث یا احادیث کریں تو وہ بھی ان کے نزدیک حسن ہے، جسے عرف عام میں حسن لغیرہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دکتور خالد بن منصور الدریس نے جامع ترمذی کے سب سے معتمد علیہ نسخے نسخۃ الکروخی (ھو أبو الفتح عبدالملک بن أبي القاسم الکروخي الھروی البزار ۵۴۸ھ) کو پیش نظر رکھ کر امام ترمذیؒ کی حسن احادیث کا تتبع اور دراستہ کیا ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ ضعیف حدیث+ضعیف حدیث=حسن لغیرہ کی تعداد چالیس ہے، جن میں بارہ (۱۲) احادیث احکام شرعیہ کے متعلق ہیں، جبکہ باقی (اٹھائیس) احادیث فضائل، ترغیب وترہیب پر مشتمل ہیں۔الحدیث الحسن للدکتور خالد: (۳/ ۱۱۸۲) نیز (۵/ ۲۱۳۴)

پھر انھیں (۳/ ۱۳۵۳۔ ۱۳۹۳) پھر بعنوان ''المنزلۃ الثانیۃ: حدیث ضعیف وشواھد ہ ضعیفۃ'' کے تحت بیان کیا ہے، ذیل میں ترمذی کے رقم الحدیث درج ہیں: ۴۰۶، ۵۱۴، ۶۵۰، ۷۲۵، ۸۱۳، ۸۸۱، ۱۰۰۵، ۱۰۲۸، ۱۰۵۷، ۱۲۰۰، ۱۲۰۹، ۱۲۱۲، ۱۳۳۱، ۱۵۶۵، ۱۶۳۷، ۱۷۶۷، ۱۷۷۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۹، ۱۹۸۷، ۱۹۹۳، ۲۰۴۸، ۲۰۶۵، ۲۱۶۹، ۲۳۲۸، ۲۳۴۷، ۲۴۵۷، ۲۴۸۱، ۲۶۹۷، ۲۷۲۸، ۲۷۹۵، ۲۷۹۸، ۳۲۹۹، ۳۴۴۸، ۳۴۵۵، ۳۵۱۲، ۳۵۹۸، ۳۶۶۲، ۳۷۹۹، ۳۸۰۱) (مقالات اثریہ از حافظ خبیب احمد الاثری)

حسن لغیرہ کی وجہ سے متاخرین محدثین کے متعلق رائے:

''یہی ہماری دعوت ہے کہ متاخرین جس طرح عقیدے کے بعض معاملات علم کلام سے متاثر ہو کر متقدمین کے منہج سے ہٹ گئے ہیں، اسی طرح کئی معاملات میں فقہی موشگافیوں، علم منطق اور علم کلام سے متاثر ہو کر وہ علم حدیث اور اصول حدیث میں بھی غلطی کھا گئے ہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ جیسے ہم دیگر معاملات میں دلیل طلب کرنے کی روش اپناتے ہیں اسی طرح علوم حدیث میں بھی دلیل کے طالب ہوں اور صرف متاخرین کی کتب اصطلاح سے مرعوب ہو کر علم حدیث میں متقدمین کے منہج کو نہ چھوڑیں۔'' اس عبارت سے درج ذیل بات سامنے آتی ہے۔

ا: متقدمین متاثر ہوئے مگر کس جگہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ متاخرین نے حسن لغیرہ کا حجت ہونا منطقیوں وغیرہ سے لیا ہے۔

(ب) علم منطق اور کلام میں کہاں بحث کی گئی ہے کہ حسن لغیرہ حجت نہیں ہے جہاں سے محدثین نے لیا ہے؟!! یقینا اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا

(ج) حاتم شریف العونی کی تحریر جو حسن لغیرہ کے متعلق نہیں بلکہ عام ہے اور منطقیوں سے متاثر کی مثال انھوں نے متواتر کی دی ہے، اس کو حسن لغیرہ کی بحث میں فٹ کرنا درست نہیں حالانکہ حاتم شریف العونی بھی حسن لغیرہ کی حجیت کے قائل ہیں دیکھئے (تحقیق مشیخۃ ابی طاہر بن ابص الصقر ص: ۱۴۶)

(د) کیا شریف حاتم العونی خود یہ کہہ رہے ہیں کہ حسن لغیرہ متاخرین نے منطقیوں سے متاثر ہو کر اخذ کی ہے اور خود حاتم العونی کہیں کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔؟؟!!

(ر) پاکستان میں حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ نے متواتر کی بحث میں کہا ہے کہ یہ بحث منطقیوں وغیرہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے لیکن حسن لغیرہ کو وہ بھی حجت سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کا راوی حفظ اور ضبط کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہو، فسق یا جھوٹ کی وجہ سے نہ ہو، یا اس کی سند منقطع ہو مگر اس کا ضعف متابع یا شاہد سے دور ہو جاتا ہے۔'' الفصول في مصطلح الحدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ص: ۲۷)

دکتور حمزہ ملیباری کے نزدیک حسن لغیرہ حجت ہے:

حالانکہ حمزہ ملیباری خود حسن لغیرہ کے قائل ہیں۔دیکھیئے (الموازنۃ بین المتقدمین والمتاخرین ص: ۹۷، ۱۲۲، ۱۲۳) والحمدللہ۔

خلاصہ بحث:

علماء کے عمومی اقوال یا حسن لغیرہ کے علاوہ کسی اور بحث کے متعلق کہے گئے، ان اقوال کے قائلین حسن لغیرہ کو حجت تسلیم کرتے ہیں والحمدللہ۔مثلا

ا: محدث یمن مقبل بن ھادی

٢: دکتور حمزہ ملیباری

٣: دکتور حاتم شریف العونی

٤: حافظ ابن کثیر

ان کے اقوال باحوالہ اسی مضمون میں گزر چکے ہیں

حسن لغیرہ کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات قسط نمبر: 4 ----------۔ راقم نے اپنے پہلے مضمون (حدیث-حسن لغیرہ کی حجیت) میں محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے حسن لغیرہ کی عدم حجیت کے متعلق ابن حزم، ابن قطان، ابن حجر اور ابن کثیر کی عبارتوں کی اصل حقیقت بیان کی تھی کہ ابن حزم کا قول بے سند ہے، ابن قطان تو حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہونا کررہے ہیں، اور ابن حجر بھی اسی کے قائل ہیں اور ابن کثیر بھی حسن لغیرہ کی حجیت کے قائل ہیں۔ اب ایک شخص نے ماہنامہ السنۃ جہلم میں اپنے تئیں یہ ظاہر کیا کہ میں ضیائے حدیث کے مضمون (حدیث-حسن لغیرہ کی حجیت) کا جواب لکھ رہا ہوں اور ماہنامہ السنۃ جہلم کی دو قسطوں میں چوبیس صفحات لکھے مگر افسوس کہ نہ ہی ہمارے مضمون کا جواب دیا کیونکہ محترم زبیر صاحب کے جن دلائل کا ہم نے توڑ پیش کیا تھا جواب تو دور کی بات ہے ان کی طرف اشارہ تک نہیں کیا اور نہ ہی حسن لغیرہ کی حجیت پر دلائل پیش کیے، اتنے صفحات میں پھر کیا لکھا اس کی ضروری تفصیل درج ذیل ہے۔ (١) مقبل بن ھادی کی عبارتیں پیش کیں کہ متقدمین کی تحقیق معتبر ہے۔ راقم نے جواباً عرض کیا کہ مقبل بن ہادی بذات خود حسن لغیرہ کی حجیت کے قائل ہیں ان کے شاگرد نے حسن لغیرہ کی حجیت پر ایک مفصل کتاب بھی تالیف کی ہے۔ (٢) دکتور حاتم العونی کی عبارتیں پیش کی گئیں کہ متاخرین کو کئی غلطیاں لگی ہیں اور منطق وغیرہ سے متاثر ہو گئے ہیں اور اسی سے اس شخص نے نتیجہ نکالا کہ: یہی ہماری دعوت ہے کہ متاخرین جس طرح عقیدے کے بعض معاملات علم کلام سے متاثر ہو کر متقدمین کے منہج سے ہٹ گئے ہیں، اسی طرح کئی معاملات میں فقہی موشگافیوں، علم منطق اور علم کلام سے متاثر ہو کر وہ علم حدیث اور اصول حدیث میں بھی غلطی کھا گئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جیسے ہم دیگر معاملات میں دلیل طلب کرنے کی

روش اپناتے ہیں اسی طرح علوم حدیث میں بھی دلیل کے طالب ہوں اور صرف متاخرین کی کتب اصطلاح سے مرعوب ہو کر علم حدیث میں متقدمین کے منہج کو نہ چھوڑیں۔ اس کے جواب میں ہم نے کہا تھا کہ اس عبارت سے درج ذیل بات سامنے آتی ہے۔

(ا) متقدمین متاثر ہوئے مگر کس جگہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ متاخرین نے حسن لغیرہ کا حجت ہونا منطقیوں وغیرہ سے لیا ہے۔

(ب) علم منطق اور کلام میں کہاں بحث کی گئی ہے کہ حسن لغیرہ حجت نہیں ہے جہاں سے محدثین نے لیا ہے؟!! یقیناً اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا

(ج) حاتم شریف العونی کی تحریر جو حسن لغیرہ کے متعلق نہیں بلکہ عام ہے اور منطقیوں سے متاثر کی مثال انھوں نے متواتر کی دی ہے، اس کو حسن لغیرہ کی بحث میں فٹ کرنا درست نہیں حالانکہ حاتم شریف العونی بھی حسن لغیرہ کی حجیت کے قائل ہیں دیکھئے (تحقیق مشیخۃ ابی طاہر بن ابص الصقر ص: ١٤٦)

(د) کیا شریف حاتم العونی خود یہ کہہ رہے ہیں کہ حسن لغیرہ متاخرین نے منطقیوں سے متاثر ہو کر اخذ کی ہے اور خود حاتم العونی کہیں کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔؟؟!! (ر) پاکستان میں حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ نے متواتر کی بحث میں کہا ہے کہ یہ بحث منطقیوں وغیرہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے لیکن حسن لغیرہ کو وہ بھی حجت سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں: حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کا راوی حفظ اور ضبط کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہو، فسق یا جھوٹ کی وجہ سے نہ ہو، یا اس کی سند منقطع ہو مگر اس کا ضعف متابع یا شاہد سے دور ہو جاتا ہے۔ (الفصول فی مصطلح الحدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ص: ٢٧) دکتور حمزہ ملیباری کے نزدیک حسن لغیرہ حجت ہے: حالانکہ حمزہ ملیباری خود حسن لغیرہ کے قائل ہیں۔ دیکھئے (الموازنۃ بین المتقدمین والمتاخرین ص: ٩٧، ١٢٢، ١٢٣) والحمدللہ۔ خلاصہ بحث: علماء کے عمومی اقوال یا حسن لغیرہ کے علاوہ کسی اور بحث کے متعلق کہے گئے، ان اقوال کے قائلین حسن لغیرہ کو حجت تسلیم کرتے ہیں والحمدللہ۔ مثلاً ١: محدث یمن مقبل بن ھادی ٢: دکتور حمزہ ملیباری ٣: دکتور حاتم شریف العونی ٤: حافظ ابن کثیر ان کے

اقوال باحوالہ گزر چکے ہیں اہل علم حضرات سے انصاف کا تقاضہ ہے۔(۳)اوراس شخص نے امام ترمذی کے نزدیک حسن لغیرہ ثابت نہیں پر بحث کی۔ہم نے ماہنامہ السنہ جہلم کی دونوں قسطوں پرتبصرہ بنام(حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات اوران کے جوابات)کیا جس میں ہر ہر اعتراض کا جواب دیا۔پھراب اسی شخص نے بغیر سوچے سمجھے ہمارے مضمون پر تبصرہ بنام(ماہنامہ السنۃ اورحسن لغیرہ حدیث (خیانتوں کی حقیقت))لکھ مارا،آئیں ذرا اس کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

[۱]منسوخ عبارتوں کا جواب لکھنا کہاں کی تحقیق ہے؟نظرثانی شدہ مضمون میں ہم نے بالکل صاف لکھا تھا کہ:ہمارے اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے جس میں بعض ترمیمات انتہائی ضروری تھیں وہ ہم نے کر دی ہیں اور اسی کو اصل سمجھا جائے اور پہلی تحریر سے راقم الحروف بری ہے۔۔اگرکوئی شخص ان عبارتوں کو پیش کرنے کی جسارت کرے جن سے راقم، نے برات کا اعلان کیا ہوا ہے تو منصف علماء ایسے شخص کے اس رویے کو کیا نام دیں گے۔کیا ہے کوئی منصف جواس شخص کو سمجھائے کہ لکھنے کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی اصول ہے کہ جس عبارت سے کوئی برات کا اعلان کردے اس کو اچھالنا بری حرکت ہے اور دیانت داری نہیں ہوتی۔

[۲]مضمون نگار ہمارے بارے میں لکھتے ہیں:پھروہ شیخ محب اللہ شاہ کی کتاب سے متقدمین اورمتاخرین میں فرق مٹانے کے لئے حوالے پیش کرتے ہیں،متقدمین کی افضلیت کو کوئی بھی منکر نہیں لیکن جس انداز سے آپ متقدمین کو پیش کر رہے ہیں وہ محل نظر ہے۔جو کچھ ہم نے لکھا تھا وہ پیش خدمت ہے۔اہل انصاف کریں کہ جو کچھ ہمارے مہربان کشید کرنا چاہتے ہیں کیا وہ ہو رہا ہے۔ہم نے لکھ تھا۔

ا۔یہ بات کئی وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے۔اس کے متعلق محدث سندھ شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی ﷺ فرماتے ہیں:لیکن میرے محترم یہ کوئی کلیہ تو نہیں کہ متقدم جو بھی کہے وہ صحیح ہوتا ہے اور جو ان سے متاخر کہے وہ صحیح نہیں ہوتا۔(مقالات راشدیہ ص:۳۳۲)[کیا یہ قول متقدمین اور متاخرین کے درمیان فرق مٹا رہا ہے؟!]نیز فرماتے ہیں:کسی کا زمانے کے لحاظ

سے متقدم ہونا یہ کوئی دلیل نہیں کہ جو ان سے زمناً متاخر ہو اس کی بات صحیح نہیں۔اعتبار تو دلائل کو ہے نہ کہ شخصیات کو۔(ایضا:۳۳۳)نیز کہا:تو کیا آپ ایسے سب رواۃ (جن کی حافظ صاحب نے توثیق فرمائی اوران کے بارے میں متقدمین میں سے کسی کی توثیق کی تصریح نہیں فرمائی) کے متعلق یہی فرمائیں گے کہ ان کی توثیق مقبول نہیں یہ ان کا اپنا خیال ہے؟اگر جواب اثبات میں ہے تو اس طرح آپ اس جلیل القدر حافظ حدیث اور نقد الرجال میں استقراء تام رکھنے والے کی ساری مساعی جمیلہ پر پانی پھیر دیں گے۔آپ خود ہی سوچیں کہ جناب کے اس نہج پر سوچنے کی زد کہاں کہاں تک پہنچ کر رہے گی۔(ایضا:۳۳۵)۲۔فضیلۃ الشیخ ابن ابی العینین فرماتے ہیں،جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:بعض طلبا جنھوں نے ماہر شیوخ سے بھی نہیں پڑھا وہ بعض نظری اقوال لے کر اپنے اصول وقواعد بنا رہے ہیں اور وہ کبار علما سے اختلاف کرتے ہیں۔انھوں نے باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہم متقدمین کے پیروکار ہیں اور انھوں نے متاخرین کے منہج کو غلط قرار دیا ہے...۔(القول الحسن،ص:۱۰۳) ۳۔متقدمین کی حسن لغیرہ کے متعلق کون سی بحثیں ہیں کن کے خلاف متاخرین نے اصول وضع کیے ہیں؟!٤۔متاخرین نے علم متقدمین سے ہی لیا ہے اور وہ انھیں کے انداز سے اصول متعین کرتے ہیں۔ہمارے متعلق یہ بھی لکھا گیا:امام ترمذی اپنی اصطلاح حسن سے مراد اقابل حجت حدیث مراد نہیں لیتے تھے اس کا کوئی جواب مضمون نگار کی طرف سے نہیں آیا۔[معلوم ہوا باقی تمام مضمون کا جواب مکمل تھا صرف یہی بات رہتی تھی]اس کا جواب بھی ہم نے اپنے اصل مضمون میں دیا تھا سیٹنگ کے وقت کلیم حیدر بھائی سے رہ گیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔امام ترمذی ۲۷۹ھ کے نزدیک حسن لغیرہ حجت ہے۔فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ:امام ترمذی کے علاوہ عام محدثین سے ایسی حسن لغیرہ روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں۔[علمی مقالات:۱/۳۰۰]معلوم ہوا کہ امام ترمذی بھی حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں جیسا کہ محترم حافظ زبیر صاحب نے کہا ہے۔یہ اعتراف ہی راجح ہے۔کہ امام ترمذی کے نزدیک حسن لغیرہ حجت ہے۔محترم حافظ خبیب احمد الاثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:حسن لغیرہ کو متعارف کروانے والے موصوف (امام ترمذی) ہیں،وہ فرماتے

ہیں: وما ذکرنا في هذا الكتاب حديث حسن، فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا. كل حديث يروي لا يكون في إسناده من يتهم بالكذب، ولا يكون الحديث شاذاً، ويري من غيره وجه نحو ذلک فهو عندنا حديث حسن م نے اس کتاب ''حدیث حسن'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس کی سند ہمارے نزدیک حسن ہے اور وہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی نہ ہو جس پر جھوٹ کا الزام ہو۔ حدیث شاذ نہ ہو۔ اور وہ اپنے جیسی دوسری سند سے مروی ہو، وہ ہمارے نزدیک حسن ہے۔ العلل الصغير للترمذي (ص:۸۹۸، المطبوع بآخر جامع الترمذي) اس تعریف کا مصداق کیا ہے؟ محدثین نے اس پر خوب خبردادِ تحقیق پیش کی ہیں، مصطلح کی کتب ان سے معمور ہیں، ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام ترمذی ﷺ ضعیف حدیث+ضعیف حدیث کی تقویت اور حجت کے قائل ہیں، بشرط کہ قرائن ایسی حدیث کی صحت کے متقاضی ہوں۔ حافظ برہان الدین بقاعی ۸۸۵ھ اپنے شیخ (حافظ ابن حجر ﷺ) سے نقل کرتے ہیں کہ امام ترمذی ﷺ نے حسن لغیرہ کو متعارف کروایا ہے۔ النكت الوفية للبقاعي (۱/ ۲۲٤) امام ابن سید الناس ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ جس حدیث کو متعدد اسانید کی بنا پر حسن قرار دیتے ہیں وہ حسن لغیرہ ہے۔ النكت الوفية (۱/ ۲۲۹) حافظ بقاعی ﷺ نے اس موقف کی تائید کی ہے۔ النكت الوفية (۱/ ۲۳٤) امام ترمذی ﷺ ایسی احادیث کو بھی حسن گردانتے ہیں جو حسن لغیرہ سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں، مثلاً اس کی ذاتی سند مضبوط ہوتی ہے یا کوئی قوی متابع موجود ہوتا ہے یا کوئی عمدہ شاہد ہوتا ہے جو ضعیف سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اگر ضعیف حدیث کی تائید ضعیف حدیث یا احادیث کریں تو وہ بھی ان کے نزدیک حسن ہے، جسے عرف عام میں حسن لغیرہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دکتور خالد بن منصور الدریس نے جامع ترمذی کے سب سے معتمد علیہ نسخے نسخۃ الکروخی (ھو أبو الفتح عبدالملک بن أبي القاسم الکروخی الھروی البزار ۵٤۸ھ) کو پیش نظر رکھ کر امام ترمذی ﷺ کی حسن احادیث کا تتبع اور دراستہ کیا ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ ضعیف حدیث+ضعیف حدیث=حسن لغیرہ کی تعداد چالیس ہے، جن میں بارہ (۱۲) احادیث احکام شرعیہ کے متعلق ہیں، جبکہ باقی (اٹھائیس)

احادیث فضائل، ترغیب وترہیب پر مشتمل ہیں۔ الحديث الحسن للدكتور خالد: (۳/ ۱۱۸۲) نیز (۵/ ۲۱۳٤) پھر انھیں (۳/ ۱۳۵۳۔۱۳۹۳) پھر بعنوان ''المنزلة الثانية: حديث ضعيف و شواهده ضعيفة'' کے تحت بیان کیا ہے، ذیل میں ترمذی کے رقم الحدیث درج ہیں: ٤۰٦، ۵۱٤، ٦۵۰، ۷۲۵، ۸۱۳، ۸۸۱، ۱۰۰۵، ۱۰۲۸، ۱۰۵۷، ۱۲۰۰، ۱۲۰۹، ۱۲۱۲، ۱۳۳۱، ۱۵٦۵، ۱٦۳۷، ۱۷٦۷، ۱۷۷۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۹، ۱۹۸۷، ۱۹۹۳، ۲۰٤۸، ۲۰٦۵، ۲۱٦۹، ۲۳۲۸، ۲۳٤۷، ۲٤۵۷، ۲٤۸۱، ۲٦۹۷، ۲۷۲۸، ۲۷۹۵، ۲۷۹۸، ۳۲۹۹، ۳٤٤۸، ۳٤۵۵، ۳۵۱۲، ۳۵۹۸، ۳٦٦۲، ۳۷۹۹، ۳۸۰۱) (مقالات اثریہ از حافظ خبیب احمد الاثری)

[ابن البشیر الحسینوی صاحب کا یہ مضمون ختم ہوا۔]

حدیثِ ضعیف کی حیثیت

حافظ ابن صلاح "مقدمہ ابن صلاح" میں لکھتے ہیں کہ جب ہم کسی حدیث کو صحیح قرار دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حدیث یقیناً صحیح ہے اور اس کی صحت درجہ علم تک پہنچتی ہے؛ بلکہ اس حکم صحت سے مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس میں صحیح کی وہ فنی شرائط موجود ہیں جو محدثین کے یہاں صحت حدیث کے لیے درکار ہیں، لہٰذا گمان یہی ہے کہ وہ حدیث صحیح ہوگی، اسی طرح ضعیف کا مطلب بھی یہ نہیں کہ یقینی طور پر وہ خلاف واقعہ ہے، ہوسکتا ہے کہ نفس الامر میں صحیح ہو؛ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کا تعامل اس کی فنی کمزوریوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی رح فرماتے ہیں: کسی حدیث کو "لا یصح" یعنی وہ صحیح نہیں، کہنے سے اس (حدیث) کا موضوع (جھوٹی/من گھڑت) ہونا لازم نہیں آتا۔ [شرح الفیہ: ۱/ ۱۵]

ملا علی قاری رح فرماتے ہیں: عدم ثبوت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

[تذکرۃ الموضوعات للقاری: ۸۲]

شواہد والی حدیث کو صحیح کہنا:

غیر مقلد زبیر علی زئی صاحب نے لکھا ہے: اس روایت میں دو راوی عصمہ بن محمد اور عبدالرحمن

بن قریش سخت مجروح ہیں لیکن اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں آصول حدیث کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جو روایت شواہد کے ساتھ ثابت ہو جائے اسے صحیح ہی تسلیم کیا جاتا ہے

(تسہیل الوصول ص 197)

فقہ اسلامی کی بنیاد جن چار چیزوں پر ہے ان میں سے ایک اہم ماخذ حدیثِ نبوی ﷺ بھی ہے، جس کے بیان ونقل میں انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیا گیا ہے، ماضی میں بعض اسباب کے تحت احادیث کو وضع کرنے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی ناپاک سازش کی گئی تھی، جن کے خلاف محدثین نے سخت محاذ آرائی کی؛ اسی پسِ منظر میں ائمہٴ جرح وتعدیل کی جماعت کا ظہور ہوا؛ جنھوں نے موضوع اور من گھڑت احادیث کو چھانٹ کر موضوعات کے نام سے الگ کر دیا اور راویوں کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے احوال واعمال کے مطابق احادیث کی تقسیم کر دی، ان ہی اقسام میں ایک ”ضعیف“ حدیث بھی ہے۔

حدیثِ ضعیف کی تعریف:

حدیثِ ضعیف کی تعریف میں متقدمین اور متأخرین کی الگ الگ رائیں ہیں، متقدمین کی اصطلاح میں ضعیف وہ حدیث کہلاتی ہے جو منکر اور باطل نہ ہو اور اس کے راوی متہم بالکذب نہ ہوں۔ گویا متقدمین کے یہاں حدیث صحیح ہی کی ایک قسم حدیثِ ضعیف ہے اور اسے متأخرین کی اصطلاح میں ”حدیثِ حسن“ کہا جاتا ہے اور متقدمین نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اس ضعیف حدیث کے خلاف اگر کوئی حدیث صحیح نہ ہو تو پھر اس حدیثِ ضعیف (حدیثِ حسن عند المتأخرین) پر عمل کیا جائے گا اور اسے قیاس پر بھی ترجیح دی جائے گی۔

لیکن متأخرین کی اصطلاح میں ”حدیثِ ضعیف“ وہ کہلاتی ہے جس میں حدیث صحیح وحسن کے شرائط نہ پائے جائیں، اس کے راوی غیر عادل یا متہم بالکذب، یا مستور الحال ہوں اور وہ متعدد طرق سے مروی بھی نہ ہو یا اس میں شذوذ وعلتِ خفیہ ہوں یہ اسباب کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لیے کافی ہیں۔

(احکام القرآن للجصاص: ۱/۳۸۶)

حدیثِ ضعیف کا ضعف ختم ہوسکتا ہے

اگر حدیث ضعیف ہے تو اس کا ضعف مختلف قرائن سے دور ہوسکتا ہے، ان میں سے ایک تعدد طرق ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف کئی سندوں سے مروی ہو تو اس کی وجہ سے وہ ضعف سے نکل جاتی ہے اور اسے قوی ومعتبر اور لائق عمل قرار دیا جاتا ہے، محدثین کی اصطلاح میں اس کو ”حسن لغیرہ“ کہتے ہیں، حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل کے مطابق یہ حدیث مقبول ومعتبر کی چار اقسام میں سے ایک ہیں۔ (ردالمحتار: ۱/۲۵۳)

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حسن لغیرہ بھی اصل میں ضعیف ہی ہے؛ مگر کسی قوت پہنچانے والے امر کی وجہ سے اس میں حسن پیدا ہوجاتا ہے۔ (فتح المغیث: ۳۵/۳۶)

الحسن لغیرہ أصلہ ضعیف وإنما طرأ علیہ الحسن بالعاضد الذی عضدہ"۔

(بدایۃ المجتہد: ۱/۴۳)

ترجمہ: حسن لغیرہ دراصل ضعیف ہی ہے اور اس میں حسن دیگر روایات کے اس کی تائید کرنے کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ضعف کسی راوی کے فسق یا کذب بیانی کی وجہ سے نہ ہو؛ کیونکہ تعددِ طرق ان کے کذب وفسق کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف کسی اصل شرعی ودلیلِ شرعی کے موافق ہو؛ خواہ کوئی نص قرآنی ہو یا قولِ صحابی ہو یا شریعت کا کوئی قاعدہ وضابطہ ہو۔ (نزہۃ النظر: ۲۹)

اس کے علاوہ بھی کچھ قرائن ہیں جو کہ حدیث ضعیف کو تقویت پہنچاتے ہیں؛ اسی لیے حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”نخبہ“ میں ذکر فرمایا ہے کہ: اگر کوئی ایسا قرینہ مل جائے جو حدیث ضعیف کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کو راجح بتائے تو اس کو ”حسن لغیرہ“ کہتے ہیں۔

(اعلاء السنن: ۱/۶۲۔ اصول امام احمد بن حنبل: ۲۶۹)

ضعیف کی اقسام

زمانہ قدیم میں حدیث کی دو ہی قسمیں ہوا کرتی تھیں؛ لیکن سب سے پہلے جس نے احادیث

کوتین قسموں میں منقسم کیا وہ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے، صحیح، حسن، ضعیف، ان ہی کی اس تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے احادیث ضعیف کی پھر چار قسمیں سامنے آتی ہیں:

(۱) وہ ضعیف جس کا ضعف تعددِ طرق اور دیگر قرائن سے دور ہو جاتا ہو

(۲) ضعیف متوسط الضعف (۳) ضعیف شدید الضعف (۴) موضوع۔

فقہاء کا اختلاف:

قسم اوّل سے تو باتفاق احتجاج واستدلال جائز ہے اور قسم سوم وچہارم سے باتفاق استدلال کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ قسمِ دوم سے استدلال کی امام احمد وامام اعظم رحمہم اللہ وغیرہ گنجائش دیتے ہیں؛ جب کہ بہت سے علماء اس سے منع کرتے ہیں۔

(المسودہ فی اصول الفقہ: ۲۷۳۔ اصول امام احمد بن حنبل: ۲۷۱)

حدیثِ ضعیف پر عمل کرنے کے شرائط:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ ضعیف پر عمل کرنے کی تین شرطیں بیان کی ہیں:

(۱) اس حدیث کا ضعف ضعفِ شدید نہ ہو یعنی اس کا راوی کاذب اور دروغ گوئی میں مشہور نہ ہو اور نہ فاحش غلطیوں کا مرتکب ہو

(۲) حدیث جس مفہوم پر مشتمل ہو اس کی ایسی بنیاد موجود ہو جو معمول بہ ہو، یعنی اس پر عمل کرنا اپنے اندر غرابت کا کوئی پہلو نہ رکھتا ہو اور اسلام کے ثابت اور مقرر ومعروف قواعد کے خلاف نہ ہو

(۳) دورانِ عمل اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے؛ بلکہ از روئے احتیاط اس پر عمل ہو، یعنی اس طور پر نہ قبول کی جائے کہ واقعتاً یہ حدیث صحیح النسبت ہے؛ بلکہ اس بناء پر عمل کیا جائے کہ ممکن ہے کہ نفس الامر میں اس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہو۔

ضعیف اور مضعف میں فرق:

اول فرق: حدیثِ مضعف کا درجہ حدیثِ ضعیف سے اونچا ہوتا ہے کہ احکامات میں حدیثِ مضعف سے استدلال کیا جاتا ہے اور ضعیف سے فقط فضائل میں ہی استدلال کرنا

درست ہے۔

دوسرا فرق: جو علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ مضعف وہ حدیث ہے جس کے متن میں یا سند میں ایسا وقتی ضعف آ گیا ہو، جس کی تلافی دیگر اسناد وروایات سے ہو سکتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے بھی ایسی احادیث کو بعض مرتبہ اپنے صحیح میں جگہ دی ہے۔

(اعلام الموقعین: ۱/۸۲)

حدیثِ ضعیف اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت امام ابو حنیفہ وامام احمد رحمہما اللہ حدیث ضعیف کا درجہ حدیث صحیح سے کمتر قرار دیتے ہیں؛ البتہ وہ حدیثِ ضعیف کے بالمقابل فتاویٰ اور اقوالِ صحابہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

(المسودہ فی اصول الفقہ: ۲۷۶۔ حیات امام احمد بن حنبلؒ: ۳۵۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو فقہی فتاوے منقول ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد ہے جو مختلف واقعات وحوادثات سے متعلق ہیں، ان فتاویٰ واقوال میں رنگا رنگ کی غذاء فکری اور طرح طرح کے امراض اجتماعی کی چارہ گری موجود ہے۔

(اعلام الموقعین: ۱/۸۴)

اگر ان کے فتاویٰ اور اقوال کا تعارض حدیثِ ضعیف سے ہو جائے تو فتاویٰ صحابی کو ترجیح حاصل ہوگی؛ کیونکہ صحابہ کرام درس رسالت کے چراغ ہیں، ان کا ہر قول وعمل سنت کے مطابق ہوا کرتا تھا، ان کے کلام سے کلام رسالت کی بو مہکتی ہے اور انھوں نے دین کو پہلو رسالت میں رہ کر جتنا سمجھا اور سیکھا ہے دوسرا ان کی خاک تک نہیں پہونچ سکتا، ان کے اقوال وافعال میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور حدیث ضعیف کی صحت وعدمِ صحت مشتبہ ہے؛ لہٰذا صحابہ کرام کے فتاویٰ واقوال کو ضعیف حدیث پر ترجیح حاصل ہوگی۔

حدیثِ ضعیف اور قیاس کا تعارض:

جب کہیں حدیث ضعیف اور قیاس میں تضاد نظر آئے تو فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اس سلسلے میں دو نقطہ نظر ہیں۔

حنفیہ وحنابلہ:

ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ ضعیف حدیث کی موجودگی میں قیاس کوئی معنی نہیں رکھتا؛ بلکہ قیاس کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، حدیث اگرچہ ضعیف ہے؛ لیکن بہر حال موجود تو ہے اور اس میں صحت کا بھی پہلو ہے؛ اس لیے قیاس کے مقابلہ میں حدیثِ ضعیف ہی کو ترجیح دی جائے گی (الاحکام لابن حزم:۲/۵۴)

چنانچہ امام احمد کا قول خود ان کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ نقل کرتے ہیں کہ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح حاصل ہوگی۔(اصول امام احمد بن حنبل:۲۷۲۔المسودہ فی اصول الفقہ:۲۷۵)

ایک مرتبہ عبداللہ نے اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ کسی جگہ ایک محدث ہیں جو درسِ حدیث دیا کرتے ہیں اور وہ حدیث کی صحت وضعف میں تمیز نہیں کر پاتے اور اسی جگہ ایک صاحب رائے شخص موجود ہو، جو اپنی رائے اور قیاس سے مسائل کو حل کرتا ہو اور ایک ایسا شخص جو علم سے ناواقف حلال وحرام میں تمیز خود سے نہ کر پاتا ہو تو وہ مسئلہ کس سے دریافت کرے، محدث سے یا صاحبِ رائے سے؟ امام احمد نے فرمایا محدث سے مسئلہ دریافت کرے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔(الاحکام لابن حزم:۲/۵۴)

شوافع اور مالکیہ:

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر نصِ قرآنی اور حدیثِ صحیح نہ ہو تو پھر حدیثِ ضعیف کو نظر انداز کر کے قیاس کرنا واجب ہوگا، ٹھیک اسی طرح مالکیہ میں سے قاضی ابوالفرج اور ابوبکر الابہری رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ حدیثِ ضعیف پر قیاس کو ترجیح حاصل ہوگی۔

(بدایۃ المجتہد:۱/۲۹)

فقہ حنفی اور حدیثِ ضعیف:

احناف کا مذہب چونکہ حدیثِ ضعیف (بقول متقدمین جو درحقیقت حدیثِ حسن ہے) کو قیاس کے مقابلے میں ترجیح دینے کا ہے؛ اسی لیے فقہ حنفی میں بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں

قیاس کو نظر انداز کر کے حدیث ضعیف پر عمل کیا گیا ہے، مثلاً:

۱۔نمازی حالت صلوٰۃ میں قہقہہ لگادے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا وضو نہ ٹوٹے؛ کیونکہ قہقہہ میں خروج نجاست کا تحقق نہیں ہوتا ہے؛ مگر اس سلسلہ میں ایک ضعیف حدیث ہے جو یہ بتلاتی ہے کہ ایسے شخص کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؛ لہٰذا قیاس کو ترک کر کے احناف نے یہاں ضعیف حدیث پر عمل کیا اور قہقہہ کو ناقض وضو قرار دیا۔ (اعلام الموقعین:۱/۸۵)

۲۔دس درہم سے کم کے سرقہ میں بھی قطع ید کا حکم قیاس کے مطابق ہونا چاہیے؛ کیونکہ وہ بھی تو شرعاً سرقہ ہے؛ لیکن ایک "ضعیف حدیث" ہے کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ لگایا جائے؛ چنانچہ حنفیہ نے قیاس کے مقابلہ میں اسی ضعیف حدیث کو حجت مانا ہے۔

(اصول امام احمد بن حنبل:۲۸۲)

ضعیف حدیث اور عقائد:

جمہور فقہاء کا مذہب یہی ہے کہ عقائد کے ثبوت کے لیے مشہور یا متواتر حدیث ضروری ہے، حدیث ضعیف اور خبرِ واحد اثبات عقائد کے لیے کافی نہیں ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے اگرچہ خبر واحد سے عقائد کے باب میں استدلال کیا ہے لیکن وہ بھی حدیثِ ضعیف کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ حدیثِ ضعیف سے عقائد کے باب میں استدلال کرنا درست نہیں ہے؛ چنانچہ سید شریف احمد جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ ضعیف سے صفاتِ باری وعقائد میں استدلال کرنا جائز نہیں۔ (الرسالہ فی فن اصول الحدیث علی الترمذی:۲)

ایک شبہ:

یہاں اس شبہ کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سابق میں احناف وحنابلہ کا یہ مسلک بیان کیا گیا کہ وہ حدیث ضعیف کو معتبر مانتے ہیں اور فقہ حنفی سے کچھ ایسے مسائل بھی ذکر کئے گئے جن میں محض حدیث ضعیف کی بناء پر قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے، بظاہر یہ دعویٰ سابقہ تصریحات کے خلاف ہے؛ لیکن یہ شبہ اس لیے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حدیث ضعیف کی اصطلاح درحقیقت دو ہیں، ایک متاخرین کی اصطلاح ہے، جس کی وضاحت اسی مقالہ کے ابتداء میں کی جاچکی ہے اور

دوسری اصطلاح متقدمین کی ہے (اس کی وضاحت بھی ابتداء میں آچکی ہے) کہ وہ حضرات حسن لغیرہ کو بھی ضعیف کے ہی درجہ میں شمار کیا کرتے تھے؛ چنانچہ علامہ ابنِ قیم رقمطراز ہیں:

ولیس المراد بالحدیث الضعیف فی اصطلاح السلف هوالضعف فی اصطلاح المتأخرین، بل مایسمیه المتأخرون حسنا قد یسمیه المتقدمون ضعیفا۔

(اعلام الموقعین: ۱/ ۸۴)

ترجمہ: سلف کی اصطلاح میں حدیثِ ضعیف سے مراد وہ حدیث نہیں ہے جسے متاخرین حدیث ضعیف کہتے ہیں؛ کیونکہ متقدمین کی اصطلاح میں اس حدیث کو بھی ضعیف کہہ دیا جاتا ہے جسے متاخرین نے حسن کا درجہ دیا ہے۔

اس لیے فضائل کے باب کے علاوہ جہاں کہیں احناف وحنابلہ حدیث ضعیف کو قابلِ حجت شمار کرتے ہیں اس سے مراد متقدمین کی اصطلاح ہیں اور اس سے حدیث حسن ہی مراد ہے، متاخرین کی اصطلاح کے مطابق حدیث ضعیف مراد نہیں ہے۔

ضعیف حدیث اور فضائل:

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعلق سے کافی طویل بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں متعدد مذاہب کو نقل کیا ہے، جن میں سے ایک حافظ الحدیث امام مسلم و دیگر محدثین اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ ضعیف حدیث کسی بھی باب میں حجت نہیں بن سکتی، چاہے وہ فضائل کا باب ہی کیوں نہ ہو؛ البتہ اگر متقدمین کی اصطلاح کے مطابق ضعیف حدیث ہو کہ اس کے طرق متعدد ہوں جس کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہوجاتا ہے تو اس سے فضائل کے باب میں استدلال کرنا درست ہوگا ابن حزم کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث کے مقابلہ میں قیاس اولیٰ ہے؛ کیونکہ حدیثِ ضعیف آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، رائے میں اگر غلطی ہوگی تو شرعاً وہ معاف ہے؛ بلکہ اس پر اجتہاد کا ثواب بھی ملے گا۔ (نووی علی مسلم: ۱/ ۶۰)

دوسرا مذہب جس کو علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کا مذہب کہہ کر بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جسے جمہور کا اجماعی مسلک قرار دیا ہے کہ فضائل کے باب میں

حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ: ۱۱۰)

ائمہ حدیث میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، امام احمد وغیرہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ (اصول امام احمد بن حنبل: ۲۷۴)

شیخ تقی الدین تحریر فرماتے ہیں کہ یہ گنجائش اس لیے ہے کہ اگر ایسی حدیث نفس الامر اور واقع میں صحیح ہے تو اس پر عمل کرنا اس کا حق تھا اور اگر واقع میں صحیح نہ تھی تو بھی فضائل کے باب میں اس پر عمل کرنے کی وجہ سے دین میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا، اس لیے کہ یہ صورت تحلیل وتحریم اور کسی کے حق سے متعلق نہیں ہے اور پھر یہ جواز مطلق نہیں ہے؛ بلکہ ماقبل میں ذکر کردہ شرائط کے ساتھ ہے۔ (شرح الکوکب المنیر: ۲/ ۵۷۱)

اس لیے فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کا اعتبار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

امید ہے کہ حقائق عوام الناس پر آشکارہ ہوچکی ہوگی۔ فیصلہ قارئین کرام کریں کہ وہ احادیث کو اپنی مسلکی حمیت پر پرکھنا چاہتے ہیں یا پھر محدثین کرام کے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت۔

باب سوم: تابعین کی صحیح روایات

یہ باب ۲ قسم کے مخالفین پر حجت ہے۔

1- ان تمام مخالفین پر حجت ہے جو کہ خیر القرون میں کسی عمل کے ہونے کو بدعت کے زمرہ میں شمار نہیں کرتے۔ میری تحقیق کے مطابق جو لوگ ۱۵ شعبان کے فضائل کے منکر ہیں اور اس کو بدعت کہتے ہیں وہ بھی خیر القرون میں کسی فعل کو بدعت نہیں مانتے تو پھر تابعین کے اقوال صحیحہ کے بعد ۱۵ شعبان کو ضعیف کہنا کیسے ممکن ہے۔ اگر اپنے بیان کردہ اصولوں پر ہی قائم نہیں رہنا تو پھر تو گمراہی کے سواء کچھ بھی نہیں۔ اس باب میں ان مخالفین کی تحریریں بھی بطور نمونہ بحوالہ پیش کی جائیں گی جو کہ خیر القرون یا کسی مجتہد کے قول کی وجہ سے کسی عمل یا فعل کو بدعت نہیں کہتے۔

2- یہ باب ان محققین کے لئے بھی حجت ہوگا کہ جو کہ ضعیف روایت کو تابعین کے صحیح اقوال کی روشنی میں قبول کرنے کے قائل ہیں۔ اگر باب دوم کی تمام روایات کو بالفرض ضعیف مان بھی لیا

جائے تو اس باب میں اسانید صحیحہ کے ساتھ اقوال تابعین موجود ہیں۔جو کہ اس باب کی روایات کا اور باب دوم کی روایات کو حجت بناتے ہیں۔

ہم کثیر حوالہ جات میں سے صرف ۳ کی طرف اپنے قارئین کرام کی توجہ مبذول کرتے ہیں۔جس میں کسی فعل یا عمل کا خیر القرون میں ہونا، ائمہ کرام کا عمل، معتبر امام کا عمل، تابعی کا فعل ثابت ہو جائے تو وہ بدعت نہیں رہتی۔

۱۔مشہور حسن آل سلمان قاموس البدعہ مترجم ص ۴۰۵ پر اپنے شیخ ناصر الدین البانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''رہا اس نیت کا زبان سے ادا کرنا تو وہ بدعت اور سنت کی مخالفت ہے۔اور مقلد جن ائمہ کی تقلید کرتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں نہیں کہا''۔

نکتہ: ناصر الدین البانی کی تحریر سے یہ نکتہ سامنے آیا کہ ائمہ کرام میں کسی ایک سے کوئی فعل ثابت ہو جائے تو وہ بدعت نہیں رہتا۔

۲۔عرب محقق عمرو بن عبد المنعم بن سلیم کی کتاب السنن والمبتدعات فی العبادات جس کا اردو ترجمہ غیر مقلد زبیر علی زئی نے بنام عبادات میں بدعت کیا ہے۔اس کتاب کے صفحہ ۱۲۶ پر لکھتے ہیں:

''زبان کے ساتھ نماز یا دوسری عبادات میں نیت کرنا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔اور نہ کسی صحابی سے، نہ کسی تابعی سے اور نہ کسی معتبر امام سے''۔

[عبادات میں بدعت مترجم صفحہ ۱۲۶]

نکتہ: اس حوالہ سے کم از کم ایک نکتہ تو سامنے آیا کہ اگر کوئی فعل یا عمل کسی تابعی یا کسی معتبر امام سے ثابت ہو جائے تو وہ عمل و فعل بدعت نہیں رہتا۔اور اس موقف پر زبیر علی زئی صاحب نے سکوت اختیار کر کے اس اصول کو صحیح مانا۔

۳۔بلکہ غالی غیر مقلد زبیر علی زئی عبادات میں بدعت مترجم صفحہ ۱۷ پر وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

''یعنی ہر ایسا عمل یا عقیدہ جس پر قرآن، حدیث اور اجماع سے دلیل نہ ہو چونکہ اسلام کا بہترین اور سنہری دور خیر القرون کا دور ہے۔لہٰذا بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ خیر القرون میں اس کا وجود نہ ہوا اور اسے دین وثواب سمجھ کر اپنایا جائے''۔

نکتہ: اس تحریر سے یہ بات واضح ہو گی کہ زبیر علی زئی کے نزدیک خیر القرون کا فعل اور عمل بھی حجت ہے اور وہ عمل بدعت نہیں رہتا۔

ثقہ تابعی امام مکحول کی روایت:

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الصَّغَانِيُّ، حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيدِ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ، حَدَّثَنِي مَكْحُولٌ قال: " أَنَّ اللهَ يَطْلُعُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فِي النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ إِلَّا لِرَجُلَيْنِ إِلَّا كَافِرٍ أَوْ مُشَاحِنٍ

[شعب الایمان للبیہقی، رقم ۳۵۴۹ و ۳۵۵۰]

ترجمہ: امام مکحول فرماتے ہیں: پندرہ شعبان کو اللہ تعالی زمین والوں کو طرف [خاص طور پر] متوجہ ہوتا ہے۔پھر وہ کافر اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے کے سواء سب لوگوں کو بخش دیتا ہے۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس روایت کے مزید متعدد شواہد اور متابعت بھی موجود ہیں۔اور یہ بات بھی اہم ہے کہ اس روایت کی سند کو خود غیر مقلد زبیر علی زئی نے اپنے رسالہ الحدیث نمبر: ۵، صفحہ ۹ پر حسن کہا ہے۔لہٰذا اس روایت کی سند پر کلام کرنے کا اگر کسی کو شوق ہے تو بے شک زئی صاحب کا رد کرتا رہے۔

یہ باب ان محققین کے لئے بھی حجت ہو گا کہ جو کہ ضعیف روایت کو تابعین کے صحیح اقوال کی روشنی میں قبول کرنے کے قائل ہیں۔اگر باب دوم کی تمام روایات کو بالفرض ضعیف مان بھی لیا جائے تو اس باب میں اسانید صحیحہ کے ساتھ اقوال تابعین موجود ہیں۔جو کہ اس باب کی روایات کا اور باب دوم کی روایات کو حجت بناتے ہیں۔اب اس اصول کو غالی غیر مقلد زبیر علی زئی کی تحریر کی

روشنی میں واضح کرتے ہیں۔

شب برات سے متعلق زبیر علی زئی کا موقف:

زبیر صاحب اپنے رسالہ الحدیث نمبر:۵، صفحہ ۹ پر شب برات کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''امام مکحول فرماتے ہیں! پندرہ شعبان کو اللہ تعالی زمین والوں کو طرف [خاص طور پر] متوجہ ہوتا ہے۔ پھر وہ کافر اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے کے سواء سب لوگوں کو بخش دیتا ہے''۔ [شعب الایمان ج ۳ ص ۳۸۱]

پھر اس روایت کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ روایت حسن ہے لیکن یہ حدیث نہیں ہے بلکہ امام مکحول کا قول ہے۔

پھر مزید آگے ص ۱۰ پر خلاصہ تحقیق کے طور پر لکھتے ہیں:

پندرہ شعبان والی کوئی روایت بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین سے ثابت نہیں ہے۔

زبیر علی زئی کا دوسرا رخ:

جبکہ اس کے برعکس جب اپنے مطلب کی کوئی بات ہو تو تابعین بلکہ تبع تابعین کی بات بھی مان لیتے ہیں۔ اور اس عمل کو جائز کہہ دیتے ہیں۔ اگر کسی غیر مقلد میں انصاف نام کی کوئی چیز ہے تو اس کا جواب دے اور حق بات کو تسلیم کرے۔

پانی پینے کے بعد کسی مخصوص دعا کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نبی کریم ﷺ سے موجود نہیں ہے لیکن صرف حسن بصری رحمہ اللہ جو کہ ایک مشہور تابعی تھے، سے ثابت ہے کہ وہ پانی پینے کے بعد ایک مخصوص دعا ''الحمد للہ الذی سقاناہ عذباً فراتاً برحمتہ و لم یجعلہ ملحاً اجاجاً بذنوبنا'' پڑھتے تھے۔ خیر القرون کے امام حسن بصری رحمہ اللہ کے صحیح اثر سے ثابت اس عمل کا اعتبار کرتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی نے پانی پینے کے بعد مذکورہ مخصوص دعا کو جائز و صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنے قلم سے لکھتے ہیں: پانی پینے کے بعد یہ (مذکورہ) دعا پڑھنا امام حسن بصری سے ثابت ہے لہٰذا پانی پینے کے بعد آثار سلف صالحین کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھنا جائز ہے۔

(ماہنامہ الحدیث، شمارہ نمبر 55، صفحہ 12)

ایک بے علم شخص کا اعتراض:

[تو ثابت ہوا کہ اگر شریعت اسلامیہ سے جڑی نص کے مطابق خیر القرون کا عمل ہو تو وہ جائز ہے۔ لیکن یہاں تو شب برات کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ احادیث صحیحہ میں تو امام مکحول کا قول بھلا ہم کیسے لے سکتے ہیں کیونکہ اس قول کے پیچھے کوئی لنک ہی نہیں ہے مطلب اس کے جواز میں صحیح احادیث موجود نہیں اور نہ ہی یہ کہ انہوں نے کسی صحابی رسول ﷺ سے سنا ہو۔ وحی تو ان پر اتر نہیں سکتی لہٰذا ان کا قول مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اصول حدیث۔]

جواب: عرض یہ ہے کہ زبیر صاحب غیر مقلد کی ساری عبارت آپ لوگ بغور پڑھیں کہ پوچھنے والے نے پانی پینے کے بعد کی دعا کے بارے میں پوچھا ہے یا قبل کی۔

زئی صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا پانی پینے کے بعد کوئی خاص دعا ثابت ہے؟ درج ذیل الفاظ پڑھنے کیسے ہیں؟

الحمد اللہ الذی سقاناہ عذبا فراتا برحمة و لم یجعله ملحا اجاجا بذنوبنا۔ [حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنی رحمت سے میٹھا خوش گوار پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اسے کھارا نمکین نہیں بنایا] حوالہ مجھے نہیں معلوم۔

[زبیر علی زئی جواب دیتے ہوئے] الجواب: ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ مُرَّةَ، حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوقٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كان إِذَا شَرِبَ الْمَاءَ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهِ، وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا أُجَاجًا بِذُنُوبِنَا [تفسیر ابن کثیر ج6 ص105 الواقعہ 70]

جابر سے مراد جابر بن یزید الجعفی ہے اور اس کی سند یہ روایت۔۔۔۔۔۔۔۔اس روایت کی سند سخت ضعیف و مردود ہے۔۔۔۔۔۔۔حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعفہ الجمہور اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [طبقات المدلسین 5/133]

خلاصہ تحقیق: یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔ نیز دیکھیے اتحاف المتقین للزبیدی

5/223 اورالضعیفہ للالبانی 9/217ح4402

تنبیہ: پانی پینے کے بعد یہ [مذکورہ] دعا پڑھنا امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثابت ہے۔

امام ابن ابی الدنیا نے کہا: مجھے اسحاق بن اسماعیل الطالقانی نے حدیث بیان کی: ہمیں جریر بن عبدالحمید نے عبداللہ بن شبرمہ سے حدیث بیان کہ حسن بصری رحمہ اللہ جب پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ [کتاب الشکر: 70 وسندہ صحیح موسوعہ امام ابن الدنیا 1/487]

لہٰذا پانی پینے کے بعد آثار سلف صالحین کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھنا جائز ہے۔

[الحدیث: 55 ص 12]

اس کے بعد زبیر غیر مقلد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل کی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے جو کھانا کھاتا ہے تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے اور مشروب پیتا ہے تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔

[صحیح مسلم: 2734]

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو فرماتے: الحمد للہ الذی اطعم و سقی و سوغہ و جعل لہ مخرجا۔

حمد وثنا اللہ ہی کے لیے ہے جس نے کھلایا، پلایا اسے خوش گوار اور نظام انہضام مقرر کر کے مخرج بنا دیا۔ [سنن ابی داود: 3851 وسندہ صحیح] یہ دعا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

اعتراض نمبر 2: جب یہ حوالہ ایک غیر مقلد مولانا صاحب کو دیا گیا تو موصوف حق بات ماننے کی بجائے حیلے بہانے تراشنے لگ گئے۔ جناب نے اس عبارت پر جو تبصرہ کیا وہ یہ ہے:

''پانی پینے کے بعد کی دعا پر جو ایک مرفوع حدیث تھی اس کو زبیر علیزئی نے سخت ضعیف قرار دے دیا۔ اس کا مطلب یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانی پینے کے بعد کی دعا منقول نہیں۔ پھر زبیر علی زئی غیر مقلد نے امام حسن بصری رحمہ اللہ کے اثر سے پانی پینے کے بعد کی دعا نقل کی اور اس کو صحیح کہا اور پانی پینے کے بعد اس دعا کو جائز کہا''۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ زبیر علی زئی نے پانی پینے کے بعد آثار سلف صالحین کو مدنظر رکھتے

ہوئے یہ دعا پڑھنے کو جائز کہا۔

اس کے بعد زبیر علی زئی نے جو مرفوع حدیث اور سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی۔ اسکو غور سے پڑھ لیں، اس روایت میں کھانے پینے سے قبل یا کھاتے پیتے وقت کی دعا مذکور ہے۔

جواب: اب اس شخص کو یہ نہیں معلوم کے کھانے پینے سے پہلے کی دعا اور کھانے پینے کے بعد کی دعا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سوال گندم جواب چنا۔

اگر خود عالم نہیں ہیں تو جناب کسی فاضل عالم سے عبارت پڑھوا لیتے۔ کہ پانی پینے کے بعد کی مخصوص دعا اور پانی پینے کی بعد کی مخصوص دعا میں کیا فرق ہے۔

پانی پینے کے بعد کی دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں اور اس کا اقرار خود اس مضمون میں زبیر علی زئی نے کیا۔ کھانے یا پینے سے پہلے کی دعا کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے جناب۔

مزید یہ کہ موصوف نے شب برات کی حدیث کو ضعیف کہا، یہ ان کی اپنی کم فہمی اور ان کے اساتذہ کی کم علمی ہے۔

ثقہ تابعی امام مکحول کا اثر

روایت نمبر (2)

أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ، قَالَ: ثَنَا بِشْرٌ، قَالَ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كُلَيْبٍ، قَالَ: ثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ بُرْدًا، يُحَدِّثُ عَنْ مَكْحُولٍ، قَالَ: " يَطَّلِعُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى خَلْقِهِ لَيْلَةَ [ص: 101] النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِينَ وَيَتُوبُ عَلَى التَّائِبِينَ وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ ، فَيَغْفِرُ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ-

(اللالکائی فی السنۃ ۳/ ۴۵۲ (۷۷۲))

امام مکحول فرماتے ہیں:

پندرہ شعبان کو اللہ تعالیٰ زمین والوں کو طرف [خاص طور پر] متوجہ ہوتا ہے۔ پھر وہ کافر اور ایک

دوسرے سے دشمنی رکھنے والے کے سواء سب لوگوں کو بخش دیتا ہے۔

سند کی تحقیق:

اس روایت کے راویوں کی مختصر توثیق پیش خدمت ہے۔

۱۔الحسین، ابن عمر بن بَرهان الغزال،

خطیب بغدادی نے کہا: ثقہ [تاریخ بغداد 8:640]

علامہ ذہبی نے کہا: الشیخ ثقہ [سیر أعلام النبلاء 17/ 266،265]

۲۔أحمد- ابن سلمان بن الحسن أبو بكر النجاد،

علامہ ذہبی نے کہا: صدوق [میزان الاعتدال، رقم: 397]

۳۔ بشْرًا- ابن موسى بن صالح الأسدي،

علامہ ذہبی نے کہا: [سیر الاعلام النبلاء 13/ 352]

اس مذکورہ بالا تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ اس روایت تابعی کی سند بالکل صحیح اور کسی حدیث صحیحہ کے متعارض بھی نہیں ہے۔اور تابعی جو کہ قرون اولی یا خیر القرون میں شمار ہوتا ہے اس کے عمل کو بدعت کیسے کہا جاسکتا ہے۔

ثقہ تابعی عطا بن یسار کا اثر

أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ، قَالَ: ثَنَا بِشْرُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: ثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، وَمُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: مَا مِنْ لَيْلَةٍ بَعْدَ لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَفْضَلُ مِنْهَا، يَعْنِي لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَنْزِلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ أَوْ قَاطِعِ رَحِمٍ۔ (أخرجه اللالكائي في السنة ۳/۴۵۱(۷۶۹))

حضرت عطا بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''لیلۃ القدر کے بعد شعبان کی پندرھویں رات سے افضل کوئی رات نہیں ہے اس میں اللہ تعالی آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، پس مشرک، کینہ رکھنے والے اور قطع رحم کرنے والے کے علاوہ سب کی بخشش فرمادیتا ہے۔

سند کی تحقیق:

اس روایت کے راویوں کی مختصر توثیق پیش خدمت ہے۔

الحسین بن عمر بن برھان:

علامہ ذہبی نے فرمایا: ثقہ [سیر الاعلام النبلاء، رقم: 3786]

احمد بن الحسن- محمد بن الحمد بن الحسن البغدادی

علامہ ذہبی نے فرمایا: ثقہ حجۃ [سیر اعلام النبلاء 16/ 184]

بشر بن موسی الاسدی

علامہ ذہبی نے فرمایا: ثقہ [سیر الاعلام النبلاء رقم: 170]

سعید بن منصور

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ثقہ صادقا [سیر الاعلام النبلاء، رقم: ۱۷۴۴]

ابو معشر

اگر یہ ابو معشر نجیح ہے تو پھر ضعیف ہے اگر یہ راوی زیاد بن کلیب ہے تو پھر حسن راوی ہے۔

محمد بن قیس بن مخرمہ

حافظ ابن حجر نے کہا: وثقہ ابوداود۔ [تقریب التھذیب: 6242]

عبد العزیز بن ابی حازم

علامہ ذہبی نے فرمایا: ثقہ [الکاشف، رقم: 3380]

عطا بن یسار المدنی

علامہ ذہبی نے فرمایا: ثبتا حجتا [سیر الاعلام النبلاء، رقم: ۱۷۴]

اس مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔

امام الفضیل بن فضالہ کا اثر

أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ، قَالَ: ثَنَا أَبُو

زُرْعَةَ الرَّازِيُّ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ الْخَبَايِرِيُّ، قَالَ: ثَنَا الْحَكَمُ بْنُ الْوَلِيدِ الْوُحَاظِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْفُضَيْلَ بْنَ فَضَالَةَ الْهَوْزِيَّ، يَقُولُ: " إِنَّ اللَّهَ يَهْبِطُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيُعْطِي رِغَابًا وَيَفُكُّ رِقَابًا وَيُفَجِّمُ عِقَابًا۔

(أخرجه اللالكائي في السنة ۳/ ۴۵۲ (۷۷۳)۔ رجاله كلهم صدوق وثقات

فضیل بن فضالہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالی نصف شعبان کی رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور نیکوں کو ثواب جزیل عطا فرماتا ہے جہنمیوں کو آزاد فرماتا ہے اور عذاب میں کمی و نرمی فرماتا۔ (یعنی گناہگاروں کو نہ کہ کافروں کو)

سند کی تحقیق:

اس روایت کے راویوں کی مختصر توثیق پیش خدمت ہے۔

علی بن محمد بن عمر الرازی-علی بن عمر بن عباس الرازی

امام خلیلی نے کہا: عالما له فی کل علم حظ [ارشاد 2/691]

عبدالرحمن ابن ابی حاتم:

علامہ ذہبی نے کہا: الحافظ الثبت [میزان الاعتدال، رقم: 4965]

ابوزرعہ الرازی:

علامہ ذہبی نے کہا: الامام الحافظ الرحال الصدوق [سیر الاعلام النبلاء، رقم: 3641]

عبداللہ بن عبدالجبار الخبائری:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقہ [الکاشف: 2812]

الحکم بن الولید الوحاظی

امام ابوزرعہ الرازی نے کہا: لا باس بہ [الجرح والتعدیل، رقم: 587]

الفضیل بن فضالہ:

امام شعبہ نے کہا: ثقہ [تاریخ اسماء الثقات: 1123]

اس مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

مذکورہ بالا روایات جن میں " مرفوع صحیح، مرفوع حسن، مرفوع ضعیف، مرسل صحیح، مرسل حسن، مرسل ضعیف، اور مقطوع روایات موجود ہیں یہ اس بات پر دلیل ہیں کہ اس رات کو فضیلت حاصل ہے اور اس رات میں اللہ تعالی اپنی مخلوق کی طرف خاص نظر رحمت فرماتا ہے جس میں ہر بخشش کے طالب کی بخشش فرماتا ہے ہر گناہوں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ہر سوال کرنے والے کو عطا فرماتا ہے، پس یہ رات جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالی اپنی مخلوق پر خاص نظر کرم ورحمت فرماتا ہے اس میں مسلمانوں کو اپنے خالق سے بخشش طلب کرنے، گناہوں سے توبہ کرنے، سوالات کی طلب، اور رحمت خداوندی کا حقدار بننے سے روکنے کی بجائے اپنے خالق کے سامنے سربسجود ہونے کی ترغیب دینی چاہیے تاکہ مسلمان بھائیوں کی بھلائی ہوسکے، نہ کہ اس سے روکا جائے کہ محروم رہیں۔

ہم نے اوپر ہر قسم کی روایات اس لئے ذکر کردی ہیں کہ اس مسئلہ میں اصل صحیح اور حسن ہیں، بقیہ تمام شواہد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ثقہ تابعی خالد بن معدان کا اثر

حدثنا عمر بن أحمد بن هارون المقرء، ثنا أحمد بن محمد الحسن الفقيه، ثنا الحسن علي، ثنا سعيد بن سعيد، ثنا سلمة بن موسى الأنصاري، بالشام عن أبي موسى الهلالي، عن خالد بن معدان قال : خمس ليال في السنة من وأظب عليهن رجاء ثوابهن و تصديقا بوعدهن أدخل الله الجنة: أول ليلة من رجب يقوم ليلها ويصوم نهارها، وليلة النصف من شعبان يقوم ليلها ويصوم نهارها، وليلة الفطر يقوم ليلها ويفطر نهارها، وليلة الأضحى يقوم ليلها ويفطر نهارها، وليلة عاشوراء يقوم ليلها ويصوم نهارها۔

(أخرجه الخلال في فضائل شهر رجب (ص۵۶۷۵) برقم (۱۷)

بسند مذکور حضرت خالد بن معدان نے فرمایا: سال میں پانچ راتیں ہیں جو کوئی ان پر ثواب کی

فضیلت سے مواظبت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔ رجب کی پہلی رات کہ اس کی رات کو قیام کرے اور دن کا روزہ رکھے اور نصف شعبان کی رات کہ اس کا قیام کرے اور اس کے دن کا روزہ رکھے اور عید الفطر کی رات کو قیام کرے اور دن کو روزہ نہ رکھے اور عید الاضحیٰ کی رات کو قیام کرے اور دن کو روزہ نہ رکھے اور عاشورہ کی رات کو قیام کرے اور دن کا روزہ رکھے۔

اس روایت پر غیر مقلدین کے امام و محدث ارشاد الحق اثری کی تحقیق پر ایک نظر ملاحظہ فرمائیں:

اثری صاحب لکھتے ہیں:

”فی إسناده حسن بن علی والظاهر أنه ابن محمی بن بهرام أبو علی : قال ابن عدی رأیتهم مجمعین علی ضعفه ،وذکر الذهبی حدیثا من طریقه عن سوید بن سعید وقال : هذا حدیث منکر جدا أحسب آفته ابن محمی ،انظر“۔ اللسان۔ (ج ۲/ص ۲۲۸)

میں کہتا ہوں: کہ اثری صاحب کو یہاں پر غلطی لگی ہے کہ انہوں نے حسن بن علی کو ابن محمی خیال کر لیا اور اس کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول نقل کر دیا جب کہ یہ ”حسن بن علی بن محمی“ نہیں بلکہ ”حسن بن علی بن شبیب المعمری“ ہے۔

جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں ”أبو علی ،الحسن بن علی بن شبیب البغدادی المعمری“ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ: ”ولد فی حدود سنة عشر و مائتین ۔ سمع شیبان بن فروخ، و أبا نصر التمار، وعلی بن المدینی ،وخلف بن هشام و هدبة بن خالد، وسعید بن عبد الجبار، وسوید بن سعید ،وجبارة بن المغلس“

(سیر اعلام النبلاء ۹/ ۲۸۳ (۲۶۱۰)

اور اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی تاریخ بغداد میں اس کے شیوخ میں سوید بن سعید کا ذکر کیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۶/ ۸۲ (۳۸۹۱)

یہ مختلف فیہ ہے بعض آئمہ جرح و تعدیل نے اس میں کلام کیا ہے اور بعض نے اس کی تعدیل کی ہے لیکن ہم ان کے کلام کو تفصیلاً نقل کرنے کی بجائے صرف البانی جس کو اثری صاحب نے استاذ

لکھا ہے، کی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ اس کے بارے میں اثری صاحب کے محدث و امام کا قول کیا ہے:

سلسلة الاحادیث الصحیحة ۶/۱/۵۹-۶۰ (۲۵۲۰) میں شیخ البانی ان کی بیان کردہ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: والإسناد الأول حسن ،رجاله کلهم ثقات معروفون من رجال التهذیب ، غیر أیوب بن حسان الجرشی ، وهو صالح الحدیث کما قال ابن أبی حاتم (۱/۱/۲۴۴) عن أبیه ۔وغیر المعمری ، وهو صدوق حافظ مترجم له فی المیزان واللسان وغیرهما ۔

یعنی پہلی سند حسن ہے اس کے تمام رجال معروف ثقہ ہیں تہذیب کے رجال سے سوائے ایوب بن حسان الجرشی کے اور وہ صالح الحدیث ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے بیان کیا، اور سوائے معمری کے اور یہ سچا حافظ ہے اس کا ترجمہ میزان اور لسان وغیرہ میں ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یہی البانی صاحب لکھتے ہیں:

وهذا سند صحیح رجاله کلهم ثقات فی رجال مسلم غیر ابن قانع والمعمری وهما ثقتان ۔ (الثمر المستطاب ۶۹۹-۷۰۰)

یعنی اور یہ سند صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ، مسلم کے رجال میں سے ہیں سوائے ابن قانع اور معمری کے اور یہ دونوں ثقہ ہیں۔

آگے اثری صاحب لکھتے ہیں: وأما سوید بن سعید فهو صدوق فی نفسه إلا أنه عمی فصار یتلقن ما لیس من حدیثه کما فی التقریب (۲۱۶)۔

اس کے بارے میں البانی صاحب امام بوصیری کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

أقول : ولکن ذلک لا یمنع أن یکون حسنا لغیره ،ما دام أن الرجال کلهم ثقات لیس فیهم متهم ۔ (سلسلة الاحادیث الصحیحة ۱/ ۹۰۱ (۳۶)

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ اس سے مانع نہیں کہ اس کی روایت حسن لغیرہ کا درجہ پائے جبکہ باقی رواۃ ثقہ ہوں ان میں کوئی متہم نہ ہو۔

یادرہے کہ اس کی تدلیس یہاں مضر صحت نہیں کیونکہ اس روایت میں اس نے سماع کی تصریح کر دی ہے اس میں ابوعلی المعمر ی اس سے روایت کرنے والا ہے جوکہ قدیم السماع ہے۔

پس اس روایت کی سند میں ان کے علاوہ کوئی ایسا راوی نہیں کہ جس کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا جاسکے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ روایت البانی صاحب (جن کا غیر مقلدین کی نظر میں بڑا مقام ومرتبہ ہے) کے قوانین کے تحت کم ازکم حسن لغیرہ کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔

آگے اثری صاحب لکھتے ہیں: ”وأبو موسى الهلالى مجهول قاله أبو حاتم كما فى الجرح والتعديل وقال ابن المدينى : لا أعلم روى عنه غير سليمان وذكر ابن حبان فى الثقات كما فى التهذيب (۱۲/ص۲۵۱) وقال الحافظ فى التقريب مقبول“۔

جیسا کہ اثری صاحب کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ مقبول ہے، پس اس کی روایت بھی حسن لغیرہ کے درجہ سے کم نہیں ہوگی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس روایت کو البانی صاحب کے قوانین کے تحت اپنے شواہد کے ساتھ حسن کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، خاص کر کے فضائل اعمال میں کہ اس بارے میں محدثین زیادہ سختی سے کام نہیں لیتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

15 شعبان میں عبادت پر چند روایات:

اس مقام پر چند روایات ۱۵ شعبان میں عبادت پر پیش خدمت ہیں۔ اگرچہ یہ روایت منفرد طور پر ضعیف ہیں۔ مگر ثقہ تابعین کے اقوال صحیحہ کی روشنی میں ان روایات کا انکار ناممکن ہے اور اس اصول کو کتاب کے ابتداء میں تفصیل سے بیان کردیا گیا ہے۔

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: من أحيا الليالى الخمس وجبت له الجنة، ليلة التروية، وليلة عرفة ، وليلة الفطر، وليلة النحر، وليلة النصف من شعبان۔

(أخرجه الأصبهاني في "الترغيب والترهيب" ۱/۲۴۸ ۲۴۹ برقم (۳۷۴)، ونقله عنه المنذرى فى "الترغيب والترهيب" ۲/۱۵۲ كتاب العيدين۔ وأخرجه أبو حفص السهروردي

في مشيخته، شيخ ثالث عشر، (۴۳)، وعبد الله بن أحمد بن قدامة في فضل يوم التروية وعرفة (۱۵)[ق]، وأبو الفتح المقدسي في مجالس من أماليه (۳)[ق]، وابن عساكر في تاريخه ۹۲/۴۳، وابن الجوزي في مثير الغرام، باب ذكر ليلة التروية ويوم التروية (۶۹)، كلهم بلفظ: من أحياء الليالي الأربع وجبت له الجنة: ليلة التروية، وليلة عرفة، وليلة النحر، وليلة الفطر۔ فى سنده عبد الرحيم بن زيد العمي، متروك الحديث۔ وأبيه: مختلف في توثيقه والأكثر على تضعيفه)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے پانچ راتوں کو زندہ کیا (بیدار ہوکر عبادت کی) اس کیلئے جنت واجب ہوگئی تو یہ راتیں آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، عیدالفطر وقربان کی راتیں اور پندرہ شعبان کی رات۔

روایت نمبر 2:

عن ابن كردوس عن أبيه قال قال رسول الله ﷺ : من أحياء ليلة العيد وليلة النصف من شعبان لم يمت قلبه يوم تموت القلوب۔

(أخرجه أبو نعيم في معرفة الصحابة ۴/۱۷۴، وابن الأعرابي في معجمه (۲۱۹۴)، و الحسن بن سفيان كما قال الهندي في كنز العمال ۸/۵۴۸ (۲۴۱۰۷)، ونجم الدين عمر بن محمد بن أحمد النسفي في القند في ذكر علماء سمرقند (ص ۱۶۰) رقم الترجمة (۲۶۰)، وابن الجوزي في "العلل" ۲/۷۱ (۹۲۴)، والديلمي في "مسند الفردوس" (ق ۱۴۸) كذا في حاشية "فردوس الأخبار" ۴/۲۷۱ (۶۳۴۹)، وعبدان المروزي كما قال الحافظ في الاصابة ۳/۳۱۲، وابن مندة، وابن شاهين، ويحيى بن بكير كما قال ابن الأثير في أسد الغابة ۲/۴۴۰۔ ۴۴۱، وفيه: سلمة بن سليمان وعيسى بن إبرهيم كلاهما من المجروحين)۔

حضرت کردوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے عید کی رات اور پندرہ شعبان کی رات کو زندہ کیا اس کا دل اس دن بھی نہ مرے گا جس دن سب کے دل مردہ ہو جائیں گے۔

روایت نمبر3:

أربع لياليهن كأيامهن وأيامهن كلياليهن يَبُرُّ اللهُ فيهن القَسم ويعْتق فيهن النسم ويعطى فيهن الجزيل: ليلة القدر وصباحها، وليلة العرفة وصباحها، وليلة النصف من شعبان وصباحها،وليلة الجمعة وصبا حها

(أخرجه الديلمي كذافي "كنز العمال" ۱۲/۳۲۲ (۳۵۲۱۴)۔عن أنس مرفوعاً

چار راتیں اپنے دنوں کی طرح اور دن اپنی راتوں کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں برات تقسیم کرتا ہے۔ گناہگاروں کو عذاب سے رہائی عطا فرماتا ہے اور ان میں اللہ تعالی عمل کرنے والوں کو (بہت زیادہ) ثواب عطا فرماتا ہے۔ لیلۃ القدر اور اس کا دن، عرفہ کی رات اور اس کا دن، پندرہ شعبان کی رات اور اس کا دن، جمعہ کی رات اور جمعہ کا دن۔

روایت نمبر4:

عن عائشة رضى الله تعالى عنها مرفوعاً:يسح الله عزوجل من الخير فى أربع ليال سحا: ليلة الأضحى والفطر وليلة النصف من شعبان، ينسخ فيها الآجال والأرزاق ويكتب فيها الحج، وفى ليلة عرفة الى الأذان۔

(أخرجه الديلمي كذافي كنز العمال ۱۲/۳۲۲۔۳۲۳(۳۵۲۱۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی چار راتوں میں اپنی رحمت عام بانٹتا ہے۔ عید الفطر اور عیدِ قربان کی راتوں میں اور پندرہ شعبان کی رات کہ اس میں اموات وروزی کا فیصلہ ہوتا ہے اور حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور عرفہ کی رات میں صبح کی آذان تک۔"

روایت نمبر5:

عن أبي أمامة رضى الله تعالى عنه ان رسول اللهﷺ قال: خمس ليال لا ترد فيهن الدعا: أول ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان وليلة الجمعة وليلة الفطر وليلةالنحر۔

(أخرجه الديلمي في "فردوس الأخبار" ۲/۳۱۱ (۲۷۹۷)، وابن عساكر في "تاريخ دمشق"(تهذيب ۳/۲۹۹)، قال المناوي: قال بن حجر، وطرقه كلها معلولة: فيض القدير ۳/۴۵۵۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ راتیں ایسی ہیں کہ ان میں دعا رد نہیں ہوتی؛ جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرھویں رات، عید الفطر اور عیدِ قربان کی رات۔"

روایت نمبر6:

قال عبد الرزاق وأخبرني من سمع البيلماني يحدث عن أبيه عن ابن عمر قال:خمس ليالٍ لاترد فيهن الدعاء ليلة الجمة، وأوّل ليلة من رجب، و ليلة النصف من شعبان، وليلتي العيدين۔

(أخرجه عبدالرزاق في المصنف ۴/۳۱۷ (۷۹۲۷)،والبيهقي في "شعب الايمان" ۳/۳۴۲ (۳۷۱۳)،وفي فضائل الأوقات ۳۱۱ ۳۱۲ (۱۴۹)،وفيه رجل من لم يسم والبيلماني وهو محمدبن عبدالرحمن البيلماني: "مجروح"۔

بسند مذکور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: پانچ راتیں ایسی ہیں کہ جن میں دعا رد نہیں کی جاتی؛ جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرھویں رات اور عیدین کی راتیں۔"

دعائیں مانگنے اور قبول ہونے کی رات:

اس بارے میں چند روایات ذکر ہو چکی ہیں دو مزید ذکر کی جاتی ہیں:

عن نوف البكالى ان عليا عليه السلام خرج ليلة النصف من شعبان فا كثر الخروج فيها ينظر الى السماء فقال:ان داود عليه السلام خرج ذات ليلة فى مثل هذه الساعة فنظر الى السماء فقال: ان هذه الساعة ،ما دعا الله أحد الا اجابه ولا استغفره احد فى هذه الليلة الا غفرله ما لم يكن عشارًا أو ساحرا أو شاعرا أو

كاهنا أو عريفا أو شرطيا أو جابيا أو صاحب كوبة أو غربة (قال نوف: الكوبة، الطبل: والغربه: الطنبور) اللهم رب داود اغفر لمن دعاک فی هذه الليلة ولمن استغفر ک فيها۔(اتحاف السادة المتقين بشرح علوم احياء الدين للشيخ السيد محمد بن الحسینی المرتضی الزبیدی (۳/۷۴۲)، فصل فوائد منتشرہ ومسائل تتعلق بالباب)

نوف بکالی سے روایت ہے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) شعبان کی پندرھویں رات کو باہر نکلے اور اس شب میں اکثر باہر آتے تھے۔آپ نے آسمان دنیا کی طرف نظر اُٹھاتے ہوئے کہا کہ حضرت داوٗد (علیہ السلام) ایک شب کو ایسے ہی وقت باہر تشریف لائے۔تو انہوں نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر فرمایا: یہ وہ وقت ہے جس نے اللہ تعالی سے دعا مانگی، اس نے ضرور قبول فرمائی۔اور جس نے مغفرت چاہی اس کی ضرور بخشش ہوئی۔بشرطیکہ وہ شخص عشار، جادوگر، کاہن، منجم، جلاّد، مال نکالنے والا، گوّیا اور باجا بجانے والا نہ ہو۔(نوفل کہتے ہیں کہ کوبہ اور غربہ طنبورہ کو کہتے ہیں۔) حضرت علی نے دعا مانگی کہ: ''اے خدا حضرت داوٗد علیہ السلام کے رب اس رات میں جو بھی دعا مانگے یا مغفرت چاہے تو قبول فرمالے۔بلا شبہ تو پندرھویں شعبان کی شب میں ظہور فرماتا ہے۔(اپنی شان کے مطابق)

نصف الشعبان اور سلف صالحین ومحدثین رحمہم اللہ علیہم:

اہل مکہ کا عمل:

امام فاکہی رحمہ اللہ [م ۲۷۲ھ] اہل مکہ کا عمل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خرج عامة الرجال والنساء إلى المسجد ، فصلوا و طافوا و أحيوا ليلتهم حتى الصباح بالقرأة فى المسجد الحرام ، حتى يختموا القرآن كله ، ويصلوا ،ومن صلى منهم تلك الليلة ماءة ركعة يقرأ فى كل ركعة ب الحمد وقل هو الله أحد عشر مرات ،وأخذوا من ماء زمزم تلك الليلة فشربوه ، واغتسلوا به ، وخبؤ وه عندهم للمرضى ، يبتغون بذلك البركة فى هذه الليلة ، و يروى فيه أحاديث كثيرة۔

(أخبار مکہ ۳/۸۴)

یعنی مردوں اور عورتوں کی اکثریت مسجد میں آتی پس وہ نماز پڑھتے اور طواف کعبہ کرتے اور اپنی رات کو زندہ کرتے صبح تک تلاوت قرآن کے ساتھ مسجد حرام میں، حتی کہ وہ مکمل قرآن مجید ختم کرتے، اور وہ نماز پڑھتے اور وہ اس رات میں سو رکعت نماز اس طرح پڑھتے کہ ہر رکعت میں فاتحہ اور دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے اور وہ اس رات کو چشمہ زمزم سے پانی لیتے پس اس کو پیتے اور اس سے غسل کرتے، اور وہ اس کو مریضوں کے لئے محفوظ کر لیتے، وہ اس کے ساتھ اس رات میں برکات حاصل کرتے تھے۔

امام ابوطالب مکی (۳۸۶ھ رحمہ اللہ) نے ''قوت القلوب'' میں ''صلاۃ الخیر'' جو سو رکعت بیان کی گئی ہے، (اُس کا طریقہ ہے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ سورہ اخلاص یعنی (قل ھو اللہ احد) پڑھی جائے) اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

کہ اسلاف اس کو اس رات میں پڑھتے تھے اور اس کی برکات کو بیان کرتے، اور اس کے لیے جمع ہوا کرتے تھے اور کبھی اس کو جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے بغیر سند کے بیان فرماتے ہیں:

حدثنی ثلاثون من أصحاب النبیﷺ أن من صلی هذه الصلاة فی هذه الليلة نظر الله عزوجل إليه سبعين نظرة و قضى الله له بكل نظرة سبعين حاجة أدناها المغفرة۔

(قوت القلوب ۱/۸۶ الفصل العشرون، واحیاء علوم الدین ۱/۲۰۳، وانظر: اتحاف السادة المتقین بشرح احیاء علوم الدین ۳/۷۰۵-۷۰۸)

یعنی انہوں نے کہا مجھ سے نبی اکرم ﷺ کے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ بے شک جو اس رات کو یہ نماز پڑھے گا اللہ تعالی اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت فرمائے گا اور اللہ تعالی ہر نظر رحمت میں اس کی ستر حاجتیں پوری فرمائے گا، جن میں سب سے چھوٹی اس کی بخشش ہے۔

اس حوالہ کی سند تو امام ابوطالب نے ذکر نہیں کی مگر وہ روایت اس کی تائید کرتی ہے جس کو امام فاکہی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۲ھ) نے اخبارِ مکہ میں ''ذکر عمل أهل مكة ليلة النصف من

شعبان واجتهادهم فيها لفضلها'' مندرجہ ذیل سند کے ساتھ روایت کیا:

''حدثنا ابن أبي سلمة ، قال: ثنا محمد بن معاوية ، ويوسف بن عدي . يزيد أحدهما على صاحبه . قالا جميعا : عن عمرو بن ثابت ، عن محمد بن مروان ،عن أبي يحي ،عن أبيه ،قال:حدثني بضعة وثلاثون رجلا من أصحاب النبي رضي الله عنهم .قالوا: من صلى ليلة النصف من شعبان. وقال ابن أبي سلمة في حديثه وليلة النصف من رمضان ماءة ركعة [يقرأ فيها] ألف مرة (قل هو الله أحد) في كل ركعة عشر مرات ، لم يمت حتى يعطيه الله عزوجل ماءة من الملائكة، ثلاثون منهم يبشرونه بالجنة، وثلاثون منهم يؤمنونه من عذاب الله . عزوجل . وثلاثون منهم يعصمونه من الخطايا ، والعشرة الباقية يكيدونه من أعداءه وقال محمد ابن علي في حديثه : يكيدون له من أعداه.(أخبار مكة للفاكهي ۳/۸۶۔۸۷(۱۸۴۱) والخلال في فضائل سورة الاخلاص)

''اخبار مکہ للفاکھی'' کے محقق نے اس کے ذیل میں کہا کہ ''اسنادہ متروک''۔

''محمد بن مروان، هو : السدي الصغير ، وهو متهم بالكذب . التقريب ۲/۲۰۶. وعمرو بن ثابت بن عمرو بن أبي المقدام الكوفي : ضعيف رمي بالرفض . التقريب ۲/۶۶. وأبو يحيى ،ووالده لم أعرفهما ''۔

میں کہتا ہوں ! کہ عبدالملک بن عبداللہ بن دھیش محقق اخبار مکہ للفاکھی کی طرح جس نے بھی اس روایت میں کلام کیا ہے عمرو بن ثابت سے اگلی سند میں کیا ہے کیونکہ عمرو بن ثابت سے اس کو روایت کرنے والے کئی لوگ ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا سند سے ثابت ہے اور اسی طرح مسند الفردوس دیلمی کی روایت میں محمد بن عبدالرحمن العزرمی، اور خلال کی سند میں معافی بن عمران ہے

عمرو بن ثابت بن ابی المقدام

بعض اس کو متروک کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ متروک نہیں ہے اس کی حدیث لکھی جائے گی (ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال في ترجمته، وتهذيب التهذيب في ترجمته ۸/۹۔۱۰)

غیر مقلدین کے محدث شیخ البانی نے ''السلسلة الاحاديث الصحيحة ۳/۴۵۰(۱۴۶۵) میں اس

کی روایت کو ایک دوسری روایت کی تقویت کے لئے ذکر کیا ہے۔

وہ روایت جس کا شاہد اس کی روایت کو بنایا گیا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس میں ایک راوی ضعیف ہے اور ایک راوی مجہول۔جیسا کہ موصوف نے لکھا ہے:

قلت:وهذا إسناد ضعيف ، الدلال هذا ، ضعفه الدارقطني،وذكره ابن حبان في الثقات ، وأخرج له الحاكم في المستدرك ، ومن فوقه ثقات غير عبد الله بن سليمان فلم أعرفه -

دوسری روایت جس کو مندرجہ بالا سند والی روایت کی تقویت کے لیے نقل کیا ہے اس کے بارے میں خود ہی لکھتے ہیں:

قلت: و هذا إسناد ضعيف أيضا من أجل عمرو بن ثابت، فقد جزم بضعفه الحافظ وغيره . وبقية رجال ثقات، رجال مسلم غير القطراني هذا فلم أجد له ترجمة ،وحبيب مدلس وقد عنعنه -

اس کی سند میں ایک تو یہی ہے اور دوسرا ایک راوی مجہول ہے اور تیسرا ایک مدلس ہے جو کہ عن کے ساتھ روایت کر رہا ہے بقول شیخ البانی۔

آگے لکھتے ہیں: قلت : فلعل الحديث يتقوى بمجموع الطريقين، وهو قوي بما له من الشواهد ---۔پس معلوم ہوا کہ شیخ البانی کے قوانین کے تحت یہ راوی اس قابل ہے کہ اس کی روایت کا اگر شاہد مل جائے اور وہ بھی ایسا کہ جس کی سند میں ضعیف اور مجہول ہوں تو بھی اس کی روایت ترقی کر کے صحیح یا حسن کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے۔

محمد بن مروان

یہ السدی الصغیر نہیں ہے، جیسا کہ عبدالملک بن عبداللہ بن دھیش کا خیال ہے بلکہ یہ الذہلی ہے۔

جیسا کہ علامہ زبیدی رحمہ اللہ نے اتحاف السادۃ المتقین ۳/۷۰۷ میں دیلمی کی مسند کی سند سے بیان کیا، اور اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابو جعفر الکوفی ''مقبول'' ،۲/۲۱۵۔

اور ابو یحییٰ یہ عمران بن زید التغلبی ہے اس کے بارے میں ابن معین فرماتے ہیں: ’’لیس به باس ‘‘۔(تاریخ یحییٰ بن معین روایۃ الدوری ۲/ ۵۰)

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كان عندنا ثقة ثبتا۔(سوالات ابن أبی شیبۃ ۶۹ (۴۶)

اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس کی روایت کو مستدرک میں روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

’’هذا حديث صحيح الإسناد وعمران بن زيد التغلبي شيخ من أهل الكوفة

(المستدرک ۱/ ۴۵۸ (۱۳۱۵) کتاب الجنائز)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’هو أبو يحيى الطويل شيخ يكتب حديثه ليس بالقوي۔

(الجرح والتعدیل ۶/ ۲۹۸)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا۔(تھذیب التھذیب ۸/ ۱۱۷)

اور الجرح والتعدیل میں جو اس کے بارے میں یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے کہ ’’ليس يحتج بحديثه‘‘ یہ ابن معین کا قول اس کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ دوسرا راوی ہے جس کے بارے میں یہ قول ہے جیسا کہ امام ابوالفضل الدوری کی روایت سے ظاہر ہے کہ: ’’عمران بن زید التغلبی‘‘ کے بارے میں واضح ہے کہ ’’لیس بہ بأس‘‘ جیسا کہ ذکر ہوا اور جس کے بارے میں ’’ليس يحتج بحديثه‘‘ کہا ہے وہ بھی انہی کی روایت سے ہے۔

(تاریخ ابن معین ۲/ ۲۰۵ (۴۲۸۶)

یہاں عمران بن زید تو ہے لیکن ’’التغلبی‘‘ کا ذکر نہیں ہے بلکہ وضاحت ہے کہ یہ عمران بن زید وہ ہے جس سے ابو النضر روایت کرتا ہے اور کسی بھی ابونضر کی روایت عمران بن زید التغلبی سے ثابت نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمران بن زید اور ہے جس کے بارے میں امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ’’ليس يحتج بحديثه‘‘ اور بعد میں جن آئمہ نے بھی عمران بن زید التغلبی کے بارے میں ایسے الفاظ ذکر کیے ہیں کہ جن سے اس کا مجروح ہونا ثابت ہوتا ہے وہ اسی وہم کی وجہ سے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کا باپ اگر یہ وہ زید ہے جس کے بارے میں امام ابن حبان نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے روایت کرتا ہے، تو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا، اور اگر کوئی اور ہے تو اس کے متعلق میں نہیں جانتا اور اگر اس کے بارے میں صحیح معلوم نہ بھی ہو کہ یہ کون سا زید ہے تب بھی اس روایت کا معاملہ ایسا نہیں رہتا کہ اس کو نظرانداز کر دیا جائے۔

کیونکہ یہی روایت حضرت حسن بصری بھی بیان کرتے ہیں جیسا کہ ذکر ہوا اور اسی طرح یہ روایت زید العمی جو کہ ضعیف ہے سے بھی مروی ہے جیسا کہ اس کا بھی ذکر آرہا ہے، تو یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے یہ روایت کم ازکم حسن لغیرہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’کتاب الدعاء ۱/ ۲۸۴۔۲۸۵ (۸۴۴)‘‘ میں اسی روایت کو بیان کیا ہے مگر اس میں نصف شعبان کی بجائے نصف رمضان کا ذکر ہے۔اسی طرح اور محدثین مثل ابن ابی الدنیا نے فضائل رمضان (۹) وغیرہ نے بھی اس سو (۱۰۰) رکعتی نماز کے بارے میں روایات بیان کی ہیں۔اور پھر اس کے اور شواہد بھی ہیں اور کئی آئمہ کا اس پر عمل بھی تھا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۵۰۵ھ) نے بھی اس کا ذکر کیا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

’’كان السلف يصلون هذه الصلاة ويسمونها صلاة الخير ويجتمعون فيها و ربما صلوها جماعة .وروى عن الحسن انه قال: حدثني ثلاثون من أصحاب النبي ﷺ أن من صلى هذه الصلاة في هذه الليلة نظر الله عزوجل إليه سبعين نظرة وقضى له بكل نظرة سبعين حاجة أدناها المغفرة۔

(احیاء العلوم مع اتحاف السادۃ المتقین ۳/ ۷۰۵، الباب السابع کتاب اسرا الصلاۃ ومھما تھا)

امام ابراہیم الغافقی رحمۃ اللہ علیہ:

امام محمد بن عبدواحد بن ابراہیم الغافقی (۶۱۹ رحمۃ اللہ علیہ ھ) فرماتے ہیں:

روى عن زيد العمى ،عن النبي ﷺ أنه قال: من صلى ليلة النصف من شعبان مائة ركعة ، يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب مرة و(قل هو الله أحد) عشر مرات . فذلك ألف مرة ، وكل الله به مائة من الملائكة ،يوفقونه للخير ثلاثون ، ويدفعونه عن

السواء ثلاثون، ویعصمونه من الشر ثلاثون، وعشرة یکیدون ممن کاده إلی مثلها من قابل۔ (کتاب لمحات الانوار ۳/ ۱۳۱۳-۱۳۱۴ (۱۹۲۶۵))

زید عمی نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے شعبان کی پندرھویں رات کو سو رکعات نماز پڑھی، ہر رکعت میں ایک بار سورہ فاتحہ اور دس بار سورہ اخلاص پڑھے، پس یہ ہزار بار ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ سو فرشتے مقرر کر دے گا ان میں سے تیس اس کو بھلائی میں مدد دیں گے، اور تیس اس سے برائی دور کریں گے اور تیس شر سے اس کی حفاظت فرمائیں گے، اور دس خفیہ تدبیر کریں کرتے ہیں اس کیلئے جو اس کے خلاف تدبیر کرتا ہے۔

امام غافقی رحمۃ اللہ علیہ ہی حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں:

حدثنی ثلاثون من أصحاب النبی ﷺ أن من صلی هذه الصلاة فی هذه اللیلة نظر الله عزوجل إلیه سبعین نظرة وقضی الله له بکل نظرة سبعین حاجة أدناها المغفرة

(کتاب لمحات الانوار ۳/ ۱۳۱۳-۱۳۱۴ (۱۹۲۶))

یعنی انہوں نے کہا مجھ سے نبی اکرم ﷺ کے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ بے شک جو اس رات کو یہ نماز پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ہر نظر رحمت میں اس کی ستر حاجتیں پوری فرمائے گا، جن میں سب سے چھوٹی اس کی بخشش ہے۔

امام ابوبکر الدمیاطی رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوبکر المعروف سید بکری الدمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اعانۃ الطالبین'' میں ذکر کیا ہے۔

پس یہ بات واضح ہے کہ متقدمین آئمہ اسلاف نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس بات کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے کہ ہر دور میں لوگ اس پر عامل رہے ہیں اور اس رات کی فضیلت کے قائل بھی، جس کے بارے میں، ہم شبہات اور ان کا ازالہ میں تفصیلاً ذکر کریں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وبلغنا انه کان یقال: ان الدعا یستجاب فی خمس لیال: فی لیلة الجمعة، ولیلة الاضحی، ولیلة الفطر، واول لیلة من رجب، ولیلة النصف من شعبان۔

(کتاب الام للشافعی ۱/ ۲۳۱، ونقله عنه البیهقی فی ''السنن الکبری ۳/ ۳۱۹ کتاب صلاة العیدین باب عبادة لیلة العیدین، وفی الشعب ۳/ ۳۴۲ باب فی الصیام فصل فی لیلة العید، وفی فضائل الأوقات (ص ۳۱۳) برقم (۱۵۰)، وفی معرفة ''السنن'' والاثار ۳/ ۶۶ برقم (۱۹۵۸)

''اور ہمیں پہنچا بے شک وہ کہتے تھے کہ بے شک پانچ راتوں میں دعائیں قبول ہوتی ہیں'' جمعہ کی رات، عید الفطر اور عید قربان، رجب کی پہلی رات اور شعبان کی پندرھویں رات میں۔''

الشیخ نجم الدین عمر بن محمد بن احمد النسفی کی تحقیق:

الشیخ نجم الدین عمر بن محمد بن احمد النسفی (م ۵۳۷) فرماتے ہیں:

فی لیلة العید لمن قامها والنصف من شعبان کشف الکروب من یحیها یحیی به قلبه ولم یمت یوم تموت القلوب۔ (القند فی ذکر علماء سمرقند (ص ۱۶۰))

یعنی عید کی رات اور نصف شعبان کی رات مصائب کو دور کرنے والی ہے۔ جس نے اس کو زندہ کیا اس کا دل اس دن بھی نہیں مرے گا جس دن دل مردہ ہو جائیں گے۔

ابن الحاج المالکی کی تحقیق:

ابن الحاج المالکی (م ۷۳۷) فرماتے ہیں:

''ولاشک انها لیلة مبارکة عظیمة القدر عند الله تعالی قال الله تعالی (فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ) ...... فهذه اللیلة وان لم تکن لیلة القدر فلها فضل عظیم و خیر جسیم وکان السلف رضی الله عنهم یعظمونها یشمرون لها قبل اتیانها فما تأتیهم الا وهم متاهبون للقاءها والقیام بحرمتها علی ما قد علم من احترامهم للشعائر علی ما تقدم ذکره هذا هو التعظیم الشرعی لهذه اللیلة۔

(المدخل ۱/ ۲۹۹ باب لیلة النصف من شعبان)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رات بڑی مبارک اور اللہ کے ہاں بڑی قدر والی ہے اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: (فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ) پس اس آیت میں اس رات کا ذکر ہے یہ اگرچہ لیلۃ القدر تو نہیں لیکن پھر بھی اس کی بڑی فضیلت ہے اور اس میں بڑی بھلائی ہے اور حضرات اسلاف اس کا بڑا احترام کرتے تھے اور اس کے آنے سے پہلے اس کیلئے تیاری کرتے اور اس رات کی ملاقات کی بڑی تمنا کرتے تھے اور اس کی عزت وحرمت کا لحاظ رکھتے اور ان اسلاف کے شعائر اللہ کی تعظیم کے بارے میں پیچھے بیان گذر چکا ہے اور اس رات کی تعظیم شرعی تعظیم ہے۔

الشیخ الامام التقی السبکی کی تحقیق:

الشیخ الامام التقی السبکی فرماتے ہیں:

ان احياء ليلة النصف من شعبان يكفر ذنوب السنة و ليلة الجمعة تكفر ذنوب الاسبوع و ليلة القدر تكفر ذنوب العمر۔"

(نقله ابن رجب في لطائف المعارف (ص۱۶۱) باب المجلس الثاني في نصف الشعبان)

"نصف شعبان کی رات کی عبادت سال بھر کے گناہوں کو اور جمعہ کی رات کی عبادت ہفتہ بھر کے گناہوں کو اور لیلۃ القدر کی عبادت پوری عمر کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وليلة النصف من شعبان كان التابعون من اهل الشام كخالد بن معدان و مكحول و لقمان بن عامر وغيرهم يعظمونها و يجتهدون فيها في العبادة وعنهم أخذ الناس فضلها و تعظيمها و يجتهدون فيها في العبادة وعنهم وقد قيل: انه بلغهم في ذلك آثار اسرائيلية، فلما اشتهر ذلك عنهم في البلدان اختلف الناس في ذلك فمنهم من قبله منهم ووافقهم على تعظيمها ، منهم طائفة من عباد اهل البصرة وغيرهم وانكر ذلك اكثر علماء الحجاز منهم عطاء و ابن أبي مليكة واختلف علماء أهل الشام في صفة احياءها على قولين:أحدهما: انه يستحب

احياؤ ها جماعة في المساجد ۔ كان خالد بن معدان، و لقمان بن عامر، وغيرهما يلبسون فيها احسن ثيابهم و يبخرون و يكتحلون ويقومون في المسجد ليلتهم تلك: ووافقهم اسحاق بن راهوية: على ذلك وقال: في قيامها في المساجد جماعة ليس ذلك ببدعة نقله عنه حرب الكرماني فيمسائله ۔

یعنی اہل شام میں تابعین کرام جیسے کہ امام خالد بن معدان، امام مکحول، امام لقمان بن عامر وغیرہم۔ پندرھویں شعبان کی رات کی تعظیم کرتے تھے اور اس رات کو عبادت میں زیادتی کی کوشش کرتے تھے اور ان سے لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ اس رات میں خوب عبادت کرتے اور اس کی عظمت کے معترف ہیں۔

ایک (ضعیف) قول یہ ہے کہ ان کے پاس اس سلسلہ میں اسرائیلی روایات پہنچیں، تو جب یہ ان سے مختلف ممالک اور شہروں میں پہنچیں، تو لوگوں میں اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا کچھ لوگوں نے اس کو قبول کر لیا اور اس رات کی تعظیم کرنے لگے۔ ان میں سے بصرہ کے صوفیا ہیں اور کچھ دیگر لوگوں نے اس کا انکار کیا اور ان میں سے اکثریت علمائے حجاز کی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام عطا اور ابن ابی ملیکہ وغیرہما۔ اور علمائے شام میں اس رات میں عبادت کرنے کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا قول: کہ اس رات کو مساجد میں اکٹھے ہو کر عبادت کرنا مستحب ہے۔ امام خالد بن معدان اور لقمان بن عامر وغیرہما اس رات کو اچھے کپڑے پہنتے اور سرمہ لگاتے اور فخر کرتے اور مسجد میں نوافل پڑھتے اور ان کی موافقت امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راھویہ نے کی اور فرمایا کہ اس رات کو مسجد میں اکٹھے عبادت کرنا بدعت نہیں ہے یہ بات ان سے امام کرمانی نے مسائل میں بیان فرمائی۔

والثاني: انه يكره الاجتماع فيها في المساجد للصلاة والقصص والدعاء ولا يكره ان يصلي الرجل فيها لخاصة نفسه و هذا قول الاوزاعي امام اهل الشام فقيههم وعالمهم ۔ (لطائف المعارف، للابن رجب الحنبلي (ص۱۶۱،۱۶۲، المجلس الثاني في نصف شعبان)

دوسرا قول: مساجد میں اجتماع مکروہ ہے اور یہ مکروہ نہیں کہ کوئی آدمی اکیلا اس رات میں عبادت

کرے اور یہ قول اہل شام میں سے امام اوزاعی رحمہ اللہ کا ہے جو کہ ان کے امام اور فقیہہ ہیں۔

امام رجب حنبلی نے فرمایا:

فقم لیلة النصف الشریف مصلیا اشرف هذا الشهر لیلة نصفه۔ نماز پڑھتے ہوئے شعبان کی پندرھویں رات کو قیام کر، پس اسی رات کی وجہ سے اس مہینہ کو بزرگی ملی ہے

فکم من فتی قد بات آمنا وقد تسخت فیه صحیفة حتفه۔ کتنے ہی نوجوان ہیں جو راتیں امن کے ساتھ گزارتے ہیں اور ان کو مردوں کے صحیفے میں لکھ دیا ہوتا ہے

فبادر بفعل الخیر قبل انقضائه و حاذر هجوم الموت فیه بعرفه۔ پس نیکی کے کاموں میں مرنے سے پہلے سبقت کرنے کی کوشش کر، موت کے اچانک آنے سے پہلے اس کا اندازہ کرلے

وصم یومها لله واحسن رجأه لتظفر عند الکرب منه بلفطه۔ اور اس کے دن کا اللہ کیلئے روزہ رکھ اور اس سے اچھی امید رکھ تاکہ اس کے ساتھ مصیبت کے وقت کامیابی حاصل کر۔ (لطائف المعارف (ص۱۶۱۔۱۶۲، المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ کی تحقیق:

الشیخ الفقیہ الکامل ابن نجیم حنفی اور الشیخ السید محمد امین المعروف بابن عابدین الشامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وصلاة لیلة النصف من شعبان ذکره الغافقی المحدث فی لمحات الأنوار وصاحب "انس المنقطعین" و ابو طالب المکی فی "القوت" و عبد العزیز الدیرینی فی "طهارة القلوب" و ابن الجوزی فی "کتاب النور" و الغزالی فی "الاحیاء" قال الحافظ الطبری جرت العادة فی کل قطر من اقطار المکلفین بتطابق الکافة علی صلاة وتروی فی صحتها آثار و اخبار لیس علیها الاعتماد ولا نقول إنها موضوعة کما قال الحافظ ابن الجوزی فإن الحکم بالوضع امره خطیر وشانه کبیر مع انها اخبار ترغیب والعامل علیها نیة یثاب و بصدق عزمه

واخلاصه فی ابتهاله یجاب والاولی تلقیها بالقبول من غیر حکم بصحتة ولا حرج فی العمل بها۔ (البحر الرائق" (۲/ ۵۲) باب الوتر والنوافل، ومنحة الخالق علی البحر الرائق (۲/ ۵۳)

"پندرہ شعبان کی رات کی نماز کا ذکر محدث غافقی نے لمحات الانوار میں اور صاحب انس المنقطعین" اور امام ابوطالب مکی نے "قوت القلوب" اور عبدالعزیز الدیرینی نے "طہارۃ القلوب" اور امام ابن جوزی نے کتاب "النور" وامام غزالی نے "احیاء العلوم" میں کہا ہے کہ: امام حافظ طبری نے فرمایا کہ تمام دنیا کے ممالک میں لوگوں کی عادت چلی آرہی ہے کہ وہ مقدور بھر اس رات کو نماز پڑھتے ہیں اور اس کی صحت میں ایسے آثار و اخبار مروی ہیں کہ جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ تمام روایات موضوع ہیں جیسا کہ ابن جوزی نے کہا ہے اور کسی حدیث پر وضع کا حکم بڑا عظیم خطرہ ہے اور اس کی شان بڑی ہے اور پھر یہ تمام احادیث ترغیب میں واقع ہیں اور عمل کرنے والا نیت اور صدق عزم و اخلاص کے مطابق ثواب پائے گا اور پھر ان کو تلقی بالقبول حاصل ہے اگرچہ ان پر صحیح کا حکم نہ لگایا جائے گا اور اس پر عمل میں حرج بھی نہیں ہے۔

محدث حافظ ابن عساکر کی تحقیق:

5۔امام علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ بن حسین، حافظ ابن عساکر، صاحب تاریخ دمشق [متوفی ۵۷۱ھ] آپ کے بیٹے فرماتے ہیں کہ میرے والد باجماعت نماز پر ہمیشگی کرتے اور تلاوت قرآن، ہر جمعہ کو قرآن مجید مکمل کرتے اور رمضان کے ہر دن ایک قرآن پڑھتے، اور منارہ شرقیہ میں اعتکاف کرتے، آپ بہت زیادہ نوافل اور اذکار پڑھتے تھے اور نصف شعبان کی اور عیدین کی راتیں نفل نماز اور نماز تسبیح کے ساتھ زندہ کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۲۶۹، وفی نسخۃ: ۲۰/ ۵۶۲، وتذکرۃ الحفاظ ۴/ ۸۴، وتاریخ الاسلام ۱۲/ ۴۹۳، وطبقات الشافعیین لابن کثیر ۶۹۴، مکتبۃ الثقافیۃ الدینیۃ)

محدث محمد بن احمد قدامہ مقدسی کی تحقیق:

6۔امام محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ بن مقدام جماعیلی، مقدسی، خالو امام ضیاء المقدسی صاحب

الاحادیث المختارۃ ، [م ۶۰۷ھ]۔حافظ ذہبی نے انہیں ''الامام العالم الفقیہ المقریٔ المحدث البرکۃ شیخ الاسلام'' جیسے القاب سے نوازا ہے۔آپ نصف شعبان کی رات لوگوں کے ساتھ سو رکعت نماز پڑھتے اور وہ بہت بڑے شیخ تھے۔ بلکہ بقول ذہبی یہ ہر جمعہ کی رات کو نماز تسبیح اور دن کو سورہ اخلاص کے ساتھ سو رکعت نماز نفل پڑھتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۶۲۔ ۶۴، وفی نسخۃ ۲۲/ ۷۔۸، وتاریخ الاسلام ۴۳/ ۲۶۷)

امام جعفر بن عبداللہ خزاعی کی تحقیق:

7۔جعفر بن عبد اللہ بن محمد بن سید بونہ خزاعی [م ۶۲۴ھ] بلنسیہ میں ۶۱۱ھ کو شعبان کی پندرھویں رات عبادت کرتے ہوئے بسر کی۔

(التکملۃ لکتاب الصلۃ لابن الآبار، فی ترجمۃ (۶۴۵)، نفخ الطیب ۲/ ۵۰۵)

ابن جبیر کی تحقیق:

8۔ابن جبیر [متوفی ۶۱۴ھ] نے بھی اہل مکہ کا طواف کعبہ، عمرہ اور اکیلے اور جماعت کے ساتھ سو رکعت نماز ہر رکعت میں دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنا ذکر کیا ہے، اور کہا کہ ہم نے ایک عظیم اجتماع حرم پاک میں دیکھا۔ (ملاحظہ فرمائیں: رحلۃ ابن جبیر ۱/ ۱۰۶)

محدث ابراہیم بن سعد جماعہ کی تحقیق:

9۔امام ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعہ بن علی بن جماعہ [م ۶۷۵ھ] جامع حماۃ میں، سال میں تین راتوں (۱) میلاد النبی ﷺ، (۲) معراج النبی ﷺ (۳) شعبان کی پندرھویں کو اجتماع کرتے جس میں لوگوں کی کثیر تعداد حاضر ہوتی تھی جن میں علماء، آئمہ حدیث، اور اہل فقہ بھی شامل ہوتے تھے۔ (مشیخۃ قاضی القضاۃ بدر الدین ابن جماعۃ ۱/ ۹۸)

امام عبدالحمید حنبلی کی تحقیق:

10 -عبدالحمید بن عبدالرحمن بن رافع زاہد حنبلی [م ۶۹۸ھ] آپ اپنی بستی عمشکا میں خود بھی اور لوگوں کو بھی جمع کر کے نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔

(معجم شیوخ الذھبی ص ۲۸۰ ت (۳۸۶)

ابن بطوطہ کی تحقیق:

11۔ابن بطوطہ [متوفی ۷۷۹ھ] نے بھی اہل مکہ کا اکٹھے ہو کر اور فرداً فرداً اس رات کو اعمال خیر کرنا اور سو (۱۰۰) رکعت پڑھنا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں: رحلۃ ابن بطوطۃ ۱/ ۴۰۲)

کیا تیسری، چوتھی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں اہل مکہ کی اکثریت ایک بدعت سیئہ کو اپنائے ہوئے تھی؟۔اور مذکورہ بالا محدثین ایک بری بدعت پر عامل تھے؟

غیر مقلدین کے علماء کا نظریہ:

تقی الدین ابو العباس المعروف شیخ ابن تیمیہ:

ایک سوال کے جواب میں شیخ ابن تیمیہ نے لکھا:

وسئل : عن صلاۃ نصف شعبان :فأجاب: اذا صلی الانسان لیلۃ النصف وحدہ ،أو فی جماعۃ خاصۃ کما کان یفعل طوائف من السلف ، فھو أحسن -

(مجموع الفتاوی ابن تیمیہ ۲۳/ ۶۵)

یعنی ابن تیمیہ سے نصف شعبان کی نماز کے بارے پوچھا گیا:

پس اس نے جواب دیا کہ جب کوئی آدمی نصف (شعبان) کی رات تنہا، یا خاص جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے جیسا کہ اسلاف میں سے ایک گروہ کرتا تھا، تو وہ اچھا ہے۔

ابن تیمیہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کے دور تک اسلاف میں سے ایک گروہ اس رات یعنی شعبان المعظم کی پندرھویں رات کو جماعت اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتا تھا۔

یہی شیخ ابن تیمیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فقد روی فی فضلھا من الأحادیث المرفوعۃ والآثار ما یقتضی: أنھا لیلۃ مفضلۃ ۔ وأن من السلف من کان یخصھا بالصلاۃ فیھا ، وصوم شھر شعبان قد جاء ت فیہ أحادیث صحیحۃ ۔ و من العلماء من السلف ، من أھل المدینۃ وغیرھم من الخلف : من أنکر فضلھا ، وطعن فی الأحادیث الواردۃ فیھا ، کحدیث : ان اللہ یغفر فیھا

لأكثر من عدد شعر غنم بنى كلب وقال: لا فرق بينها و بين غيرها ۔ لكن الذى عليه كثير من أهل العلم ،أو اكثر من أصحابنا وغيرهم : على تفضيلها ، وعليه يدل نص أحمد ، لتعدد الأحاديث الواردة فيها ، وما يصدق ذلك من الآثار السلفية ، وقد روى بعض فضائلها فى المسانيد والسنن۔

(اقتضاء الصراط المستقیم، ۲۷۴،انواع الاعیاد الزمانیۃ)

یعنی نصف شعبان کی رات کے متعلق مرفوع احادیث اور آثار مروی ہیں جو اس رات کی فضیلت کا تقاضا کرتے ہیں بعض علماء سلف نے تو اس رات میں نماز کی بھی تخصیص کی ہے اور ماہ شعبان کے روزے کے متعلق صحیح احادیث وارد ہیں، اور بعض علماء سلف اور بعض علماء مدینہ اور علماء خلف نے اس رات کی فضیلت کا انکار کیا ہے اور اس کے متعلق وارد احادیث میں طعن کیا ہے جیسے حدیث کہ ’’اللہ تعالی اس رات بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے اس حدیث میں اور اس کے علاوہ دوسری احادیث میں کوئی فرق نہیں ۔لیکن یہ نظریہ کہ یہ رات فضیلت والی ہے یہ اکثر اہل علم کا نظریہ ہے یا اکثر ہمارے علماء اور دیگر کا بھی، اور اس پر امام احمد کی نص ہے کیونکہ اس رات کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہیں اور آثار سلف بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس رات کے کچھ فضائل مسانید اور سنن میں بھی مروی ہیں۔

ابن تیمیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل علم کی اکثریت کا مؤقف یہ ہے کہ شعبان المعظم کی پندرھویں رات یعنی عرف عام میں شب برات فضیلت والی رات ہے، اور اس پر امام احمد بن حنبل کی نص ہے کہ یہ رات فضیلت والی رات ہے۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری صاحب:

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال : پندرھویں شب شعبان کو کیا شب قدر کا کوئی ثبوت ہے اس شب کو ثواب جان کر

تلاوت یا عبادت کرنا کیسا ہے؟ (عبدالماجد بریلی)

جواب : اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بحکم ’’انما الاعمال بالنیات‘‘ موجب ثواب ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی ثنائیہ ۱/ ۶۵۴)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس رات میں اگر کوئی مسلمان اپنے خالق و مالک کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے تو اس پر نکیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس رات اللہ تعالی کی بارگاہ میں جبین نیاز کو جھکانا بہتر ہے اور اس رات اس کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی طلب کرنی چاہیے اور آئندہ کے لیے گناہوں سے تائب ہو کر اس کے تقرب کو حاصل کرنے میں کوشاں ہونا چاہیے اس اُمید پر کہ اس رات وہ اپنی رحمت و کرم سے خطا کاروں کی بخشش و مغفرت فرماتا ہے۔

عبدالرحمن مبارکپوری صاحب:

غیر مقلدین کے امام و محدث عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ’’أعلم أنه قد ورد فى فضيلة النصف من شعبان عدة أحاديث مجموعها يدل على أن لها أصلا‘‘ آگے چند روایات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

’’فهذه الأحاديث بمجموعها حجة على من زعم أنه لم يثبت فى فضيلة ليلة النصف من شعبان شيء والله تعالى أعلم‘‘۔ (تحفۃ الاحوذی ۳/ ۳۶۵۔۳۶۷)

(پس باعتبار مجموعی یہ احادیث اس پر حجت ہیں جو یہ خیال کرتا ہے کہ نصف شعبان کی فضیلت میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے)

حافظ عبداللہ محدث روپڑی صاحب:

غیر مقلدین کے مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

شب برات کا روزہ

سوال : ماہ شعبان کی چودھویں یا پندرھویں روزہ رکھنا یا تین روزے تیرھویں ۔ چودھویں ، پندرھویں تاریخ میں رکھنے جائز ہیں ، یا نہیں ۔بعض کہتے ہیں یہ بدعت ہے اور لفظ بدعت کی

اصل تحقیق کیا ہے؟

جواب : شبرات کا روزہ رکھنا افضل ہے ۔چنانچہ مشکوۃ وغیرہ میں حدیث موجود ہے ۔اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل درست ہے۔ ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کا روزہ بھی حدیث میں آیا ہے بدعت کی تعریف رسالہ رد بدعت میں کی گئی ہے۔(فتاوی اہلحدیث ۲/ ۲۱۸)

یہاں غیر مقلدین کے مجتہد العصر صاحب نے شب برات کے روزہ کو جو افضل قرار دیا ہے یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک شب برات کو فضیلت حاصل ہے ورنہ اس کا روزہ رکھنا افضل کیسے؟

شعبان کے فضیلت پر لکھی جانے والی چند کتب کا تذکرہ:

اب ہم شعبان اور شعبان کی پندرھویں رات کے فضائل کے بارے میں لکھی جانے والی چند تصانیف کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نظریہ اُمت محمدی ﷺ میں کوئی نیا پیدا ہونے والا نہیں کہ اُمت میں اب شعبان اور شعبان المعظم کی پندرہویں کی فضیلت کا نظریہ شروع ہوا ہے بلکہ یہ تاریخ اسلام میں ابتدائی دور سے چلا آ رہا ہے۔

(1) ”دعاء ليلة النصف من شعبان“۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ [متوفی ۴۰ھ])(الرقم التسلسلي:۲ ۱۰۲۳۱ ۔الفن : ادعیه واذکار۔ اسم المکتبة:مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة، الریاض۔ المکتبة الشاملة)

(2)”ما ورد في ليلة النصف من شعبان“۔ محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجری ،صاحب ”الشریعة“[المتوفی ۳۶۰ھ] (دار الکتب المصرية ،القاهرة ، المصر ،الفن : حديث ، الرقم التسلسلي:۶۰۷۵۵)

(3)”فضائل شعبان“ ۔حسن بن احمد بن عبد اللہ المعروف بابن البنا البغدادی [و ۳۹۶۔م ۴۷۱ھ] (ذكره ابن المبرد الحنبلي ،يوسف بن حسن بن أحمد بن حسن ابن عبد الهادي الصالحي في معجم الكتب ۶۹)

(4)”جزء فيه مجلس في فضائل ليلة النصف من شعبان“۔ابو القاسم علی بن حسن بن ھبة اللہ ،حافظ ابن عساکر ،صاحب تاریخ دمشق [و ۴۹۹۔م ۵۷۱ھ] (ذكره الحافظ ابن حجر العسقلاني في معجم المفهرس أو تجريد أسانيد الكتب المشهورة والأجزاء المنثورة ۶۹(۱۵۶)

(5)”فضائل شعبان“۔ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن علی ،ابن ابی الصیف [۶۰۹ھ] (ذكره الحاجي خليفة في كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون ۱۲۷۹/ ۲)

(6)”جزء فيه فضائل شعبان“ ۔ ابو محمد عبد العزيز بن محمود بن مبارک بن اخضر جنابذی ، بغدادی [و ۵۲۴۔م ۶۱۱ھ] (ذكره الحافظ ابن حجر العسقلاني في معجم المفهرس أو تجريد أسانيد الكتب المشهورة والأجزاء المنثورة ۶۹(۱۵۵)

(7)”مواهب الكريم المنان في الكلام على أوائل سورة الدخان وفضائل ليلة النصف من شعبان“۔ ابو المواهب نجم الدين محمد بن احمد بن على الغيطى الشافعى [م ۹۸۱ھ] (ذكره صلاح محمد الخيمى في فهارس علوم القرآن الكريم لمخطوطات دار الكتب الظاهرية ۳۲۰/۲)

(8)”الدر العالي الشان على ليلة النصف من شعبان“۔محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوی ،شمس الدين [و ۸۳۱۔م ۹۰۲ھ] (ذكره يوسف بن اليان في معجم المطبوعات العربية والمعربة ۱۰۱۲/ ۲)

[ب]”عقود الجمان في فضائل ليلة نصف شعبان“۔سخاوی [م ۹۰۲] (مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیه، الرقم التسلسلي: ۲۳۵۴۴)

(9)”نبذة في فضائل شعبان“ ۔شمس الدين ابو الحسن محمد بن عبد الرحمن البكرى الصديقى [م ۹۵۰ھ] [ب]”وشرحها“ ۔ عبد الرؤوف محمد بن مناوی [م ۱۰۳۱ھ] (ذكرهما الحاجي خليفة في كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون ۱۹۲۳/ ۲)

(10)”في ما ورد في ليلة النصف من شعبان“ ۔محمد شمس الدين بن طولون حنفی،

دمشقی [و۸۸۰ـم۹۵۳ھ] (ذكره الحاجي خليفة في كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون ۱/۳۷۹)

(11)''ضوء البدر في احياء : ليلة عرفة، والعيدين، ونصف شعبان، وليلة القدر''۔ جلال الدين، عبد الرحمن بن بو بكر سيوطى [و۸۰۹ـم۹۱۱ھ] (ذكره الحاجي خليفة في كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون ۲/۱۰۸۸)

(12)''فيض المنان في شرح فضل ليلة النصف من شعبان''۔ابو السرور ابن محمد بن على بن عبد الرحمن بن احمد البكرى الصديقى الشافعى [م۱۰۰۷ھ] (ذكره اسماعيل في أيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون ۴/۲۱۶)

(13)''التبيان في بيان ما في ليلة النصف من شعبان''۔ على بن سلطان محمد القارى [۱۰۱۴ھ] (ذكره اسماعيل بن محمد امين بن مير سليم البابانى في هدية العارفين أسماء المؤلفين و آثار المصنفين ۱/۷۵۲)

(14)''تحفة اليقظان في ليلة النصف من شعبان''۔ للشيخ منصور، سبط ناصر الدين الطبلاوى [۱۰۱۴ھ] (ذكره اسماعيل بن محمد امين بن مير سليم البابانى في أيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون ۳/۲۶۳)

(15)''هداية المنان في فضائل ليلة النصف من شعبان''۔على بن زين الدين بن محمد بن عبد الرحمن الاجهورى [۹۶۷ـ۱۰۶۶] (ذكره اسماعيل بن محمد امين بن مير سليم البابانى في هدية العارفين أسماء المؤلفين و آثار المصنفين ۱/۷۵۸)

(16)''نصيحة أهل الايمان في فضل ليلة النصف من شعبان''۔ رجب بن محمد العمرانى الشافعى ۔[فرغ منها ۱۱۱۹ھ] (ذكره اسماعيل بن محمد امين بن مير سليم البابانى في أيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون ۴/۶۵۳)

(17)''فضائل النصف من شعبان''۔ الشيخ جمال بن عمر المكى [۱۲۸۴ھ] (ذكره اسماعيل بن محمد امين بن مير سليم البابانى في هدية العارفين أسماء المؤلفين و آثار

المصنفين ۱/۲۵۷)

شعبان المعظم اور شعبان المعظم کی پندرہویں شب کی فضیلت کے بارے میں لکھی گئی اور کئی کتب ورسائل کی نشاندہی کی جاسکتی ہے مگر ہم اختصار کے پیش نظر انہی چند پر اکتفاء کرتے ہیں

مخالفین کے شبہات کا تحقیقی جائزہ:

اعتراض:۔نمبر(1)

جمال الدین قاسمی نے اصلاح المساجد میں لکھا:''۔۔۔۔۔ 448ھ میں ''ہزاری نماز'' کی بدعت ایجاد ہوئی تھی، جس میں سو رکعت میں ہزار مرتبہ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ) پڑھی جاتی تھی، یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس بار۔۔(اصلاح المساجد ۱۳۲۔۱۳۳)

جواب: قاسمی صاحب کا یہ لکھنا کہ ہزاری نماز کی بدعت 448ھ میں ایجاد ہوئی تھی، یہ غلط اور ان کی کم علمی کی دلیل ہے، ورنہ جو آدمی تعلیماتِ اسلام کے جواہر پاروں کی ورق گردانی کرتا ہے اور تاریخ اسلام سے واقفیت رکھتا ہے اور اسماء الرجال کے بارے میں علم رکھتا ہے وہ ایسی بات کبھی نہیں لکھ سکتا کیونکہ یہ نماز 448ھ کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اس دور سے پہلے دُنیا سے پردہ فرما جانے والے علماءِ اُمت نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے گذشتہ اوراق میں نقل کیا ہے کہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن عباس الفاکھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''أخبار مكة في قديم الدهر و حديثه'' میں اس کا ذکر کیا ہے کہ اہل مکہ یہ نماز پڑھتے تھے۔

جن کی وفات 272ھ کے بعد 279ھ سے پہلے ہوئی ہے، اور امام ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں اس طریقہ نماز کا ذکر کیا، اور لکھا ہے کہ اسلاف اس کو پڑھتے تھے، جن کی وفات 386ھ میں ہوئی ہے

ان دونوں بزرگوں کا اس کو اپنی کتابوں میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قاسمی صاحب کا لکھنا کہ یہ 448ھ میں ایجاد ہوئی غلط ہے، کیونکہ امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ اس سن سے تقریبا 169 سال پہلے

اس دنیا سے پردہ کر رہے ہیں اور وہ اپنی کتاب میں اہل مکہ کا عمل ذکر کر رہے ہیں کہ اہل مکہ یہ نماز پڑھتے تھے، یہاں ضعف اور وضع کا بھی کوئی امکان نہیں جیسا کہ دوسری روایات کہ جن کو امام حسن بصری رحمہ اللہ نے ذکر کیا یا عمران بن زید نے اپنے والد کے واسطے سے نبی اکرم ﷺ کے تیس صحابہ سے ذکر کیا، یا زید العمی کی روایت کہ ان کی اسناد میں کلام کیا جا سکے، یہاں تو سند کا معاملہ ہی نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے دور کی بات اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی بیان کر رہے ہیں، اور وہ کوئی ضعیف راوی نہیں ہیں، بلکہ وہ حدیث کے ثقہ آئمہ میں سے ہیں، ان کی اس بات پر ضعف یا وضع کا حکم کسی بھی اُصول کے تحت نہیں لگایا جا سکتا۔

پس یہ بات پایہء ثبوت کو پہنچ گئی کہ جس سال کے بارے میں قاسمی صاحب لکھ رہے ہیں کہ یہ اس سال میں ایجاد کی گئی اس سے تقریبا 169 سال پہلے بھی یہ پڑھی جاتی تھی، لہٰذا قاسمی صاحب کا یہ لکھنا غلط ہے کہ یہ 448ھ میں ایجاد ہوئی۔

دوسرے بزرگ یعنی امام ابو طالب مکی وہ بھی قاسمی صاحب کے بیان کردہ وقت سے (62) باسٹھ سال پہلے پردہ فرما گئے تھے، اور انہوں نے کہا کہ ہمارے اسلاف اس کو پڑھتے تھے اور اسلاف کا مطلب عام آدمی بھی جانتا ہے۔

اعتراض نمبر (2)

قاسمی صاحب لکھتے ہیں ''ابو شامہ نے ابو بکر طوشی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن وضاح نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ ہم نے اپنے کسی شیخ یا فقیہ کو نہیں دیکھا کہ شعبان کی پندرھویں رات پر کوئی توجہ دیتے ہوں، مکحول کی حدیث کو وہ اہمیت نہیں دیتے تھے، اس رات کی ان کی نظر میں کوئی فضیلت نہیں تھی، انہوں نے کہا کہ ابن ابی ملکیہ سے کہا گیا کہ زیاد نمیری کہتے تھے کہ شعبان کی پندرھویں رات کا اجر لیلۃ القدر کی مانند ہے، ابن ابی ملکیہ نے کہا کہ اگر میرے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی اور اسے یہ کہتا ہوا سنتا تو مار دیتا زیاد واعظ تھے۔ (اصلاح المساجد ۱۳۲)

اور یہی بات عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز نے اپنے رسالہ ''حکم الاحتفال بلیلۃ النصف من شعبان'' میں لکھی۔

جواب: اولاً: اصلاح المساجد مترجم میں جو لکھا گیا ہے: ''ابن وضاح نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے'' یہ غلط ہے جیسا کہ ابن باز کی عبارت سے ظاہر ہے کہ ابن وضاح نے زید بن اسلم سے نہیں بلکہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے روایت کی ہے۔

ثانیاً: قاسمی صاحب کی کتاب کے حاشیہ میں البانی نے کہا ہے کہ: ''اور عبد الرحمن بہت ہی ضعیف ہے''۔ جب اس بات کے کہنے والے کے بارے میں ہی بقول البانی صاحب شدید ضعف ہے، تو پھر اس کی بات کی اہمیت کیا رہ گئی۔ محدثین کی اس کے بارے میں آراء ملاحظہ فرمائیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا: ''ضعفه علي جدا''، امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے ''ضعیف''۔ امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''وهو ضعيف''۔ امام ابن معین رحمہ اللہ سے سوال ہوا: ''كيف حديثه فقال ضعيف''۔ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ''ضعیف''۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا'' ضعفه أحمد وعلي وأبو داود وأبو زرعة وأبو حاتم الرازي والنسائي والدارقطني. وقال ابن حبان يقلب الأخبار وهو لا يعلم حتى كثر ذلك في روايته من رفع المراسيل وإسناد الموقوف فاستحق الترك ۔ (ملاحظہ فرمائیں: التاریخ الکبیر ۵/ ۲۸۴، الضعفاء والمتروکین (۳۶۰)، حلیۃ الأولیاء ۳/ ۲۵۴، تاریخ ابن معین روایۃ عثمان الدارمی (۵۲۷)، المغنی فی سرد الکنی (۲۴۲۹)، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی (۱۸۷۱)

ثالثاً: اگر ابن وضاح نے یہ بات عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے بالواسطہ بیان کی ہے تو وہ واسطہ کون ہے؟ جس کے واسطے سے ابن وضاح یہ بیان کر رہا ہے جب اس واسطے کا علم ہی نہیں تو اس کو صحیح کیسے تسلیم کر لیا جائے۔

اور اگر بغیر واسطہ کے ہے تو یہ بات ہی من گھڑت ہے کیونکہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کی وفات امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق 182ھ ہے اور محمد بن وضاح کی پیدائش 191ھ ہے تو محمد بن وضاح جو کہ 9 سال بعد پیدا ہوا ہے اس نے کیسے عبد الرحمن بن زید سے سن لیا، پس اگر یہ بغیر واسطہ ہے تو ابن وضاح کی وضع کردہ ہے کیونکہ بقول عبد اللہ بن عبد الرحمن یہ کام ابن وضاح کیا کرتا تھا۔

رابعًا: محمد بن وضاح القرطبی

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال ابن الفرضی : له خطأ كثير ، وأشياء يصحفها ، وكان لا علم له بالفقه ، ولا بالعربية ...وقال ابن الفرضی : رحل الى المشرق رحلتين ولم يكن يطلب الحديث فی الأولى ، اذ لو طلبه لكان أعلى أهل عصره درجة ، وكان عالما بالحديث ،زاهدا عابدا ، و كان أحمد بن خالد لا يقدم أحدا عليه ،وكان يعظمه جدا ، ويصف فضله وورعه ، غير أنه كان يكثر الرد للحديث ، فيقول : ليس هذا من كلام النبی ﷺ ، وهو ثابت من كلامه ، وله خطأ كثير يحفظ عنه وأشياء كان يغلط فيها ، وكان لا علم عنده بالفقه ،ولا بالعربية ....قال: وذكر أن مولده سنة احدى وتسعين ومائة . وقال ابن عبد البر : كان الأمير عبد الله بن الأمير عبد الرحمن بن محمد الناصر يقول : ابن وضاح كذب على يحيى بن معين فی حكاية عنه ، أنه سأله عن الشافعی ، فقال: ليس بثقة . قال عبد الله :قد رأيت أصل ابن وضاح الذی كتبه بالمشرق ، وفيه : سألت يحيى بن معين عن الشافعی ، فقال :دعنا ، لو كان الكذب حلالا لمنعته مروءته أن يكذب۔ (لسان المیزان ٦/ ٦٠٥-٦٠٦-٦٠٧(٨٢٣٠)

یعنی ابن فرضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس کی خطائیں بہت زیادہ ہیں اور بہت سی اشیاء کو خلط ملط کرتا ہے عربی اور فقہ سے نابلد تھا ابن فرضی فرماتے ہیں کہ ابن وضاح نے دو بار مشرق کا سفر کیا لیکن پہلی مرتبہ علم حدیث حاصل کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ اگر علم حدیث حاصل کرنا مقصود ہوتا تو وہ اپنے زمانے کا اعلی عالم بالحدیث ، زاہد اور عبادت گزار ہوتا۔ احمد بن خالد اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے اس کے فضل وتقوی کی تعریف کرتے تھے اور کسی کو اس پر ترجیح نہ دیتے تھے اس کے باوجود جب اس کی حدیث کا معاملہ آتا تو اکثر اوقات اس کی حدیث رد کر دیتے تھے۔ وہ کہتا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا کلام نہیں حالانکہ وہ آپ ﷺ کا کلام ہوتا، اس کی کثیر غلطیاں تھیں جو اس کے بارے میں لوگوں کو یاد تھیں اور وہ بہت سی اشیاء میں غلطی کرتا اس کے پاس نہ فقہ کا علم تھا

اور نہ ہی لغت عربی کا، کہا کہ اس کی پیدائش 191ھ میں ہوئی۔ اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امیر عبداللہ بن امیر عبد الرحمن بن محمد ناصر کہتے: ابن وضاح یحیی بن معین سے روایت (حکایت) کرنے میں ان پر جھوٹ بولتا تھا۔

اس حقیقت کے بعد اس کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے کئی روایات کو ترک کر دیا جائے پس معلوم ہوا کہ یہ قول ہی مردود ہے کثیر روایات کی موجودگی میں ان کے خلاف اس کی طرف توجہ کرنا ہی غلط ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کے محدث ناصر الدین البانی نے بھی اس کے حاشیہ میں لکھا کہ مصنف کا یہ قول ہی نا قابل توجہ ہے۔ ایسے اقوال کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے رب کی بارگاہ میں جھکنے سے روکنا کتنا بڑا ظلم ہوگا، واللہ تعالی اعلم۔

خامسًا: عبد الرحمن بن زید کا قول ''کہ ہم نے اپنے کسی شیخ یا فقیہ کو نہیں دیکھا کہ شعبان کی پندرھویں رات پر کوئی توجہ دیتے ہوں''۔

جواب: اس کا نامقبول ہونا تو پہلے ہی ثابت ہو چکا لیکن یہ یاد رہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تابعین اور علماء اسلاف اس رات کی فضیلت کے قائل تھے اور اس میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں سربسجود ہونا باعثِ رحمت وبرکت جانتے تھے، جیسا کہ پچھلے اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے

زیاد نمیری کا قول کہ ''اس رات کا اجر لیلۃ القدر کی مانند ہے'' یہ بات ثابت نہیں ہے کہ اس رات کا اجر شب قدر کے اجر کی مثل ہے، یہ زیاد نمیری کا قول ہے جو ثابت نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابن ابی ملیکہ اسی وجہ سے کہتے ہوں کہ میرے ہاتھ میں چھڑی ہوتی تو میں اس کو اس سے مارتا کیونکہ شب قدر کے ثواب کے بارے میں تو قرآنی نص موجود ہے کہ وہ ہزار مہینہ سے بھی افضل ہے، جب کہ شعبان المعظم کی پندرھویں رات کی فضیلت تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے مگر اس کے اجر وثواب کے بارے میں کوئی ایسی چیز ثابت نہیں ہے کہ اس کا ثواب شب قدر سے بھی زیادہ ہو، اور اس قول کو ہر ایک نے لفظ ''قیل'' کے ساتھ بیان کیا ہے، واللہ تعالی اعلم۔

اعتراض نمبر (3)

شعبان کی نصف رات کی فضیلت ثابت نہیں۔ جیسا کہ جمال الدین القاسمی نے اصلاح المساجد

میں لکھا ہے: ''علماء جرح وتعدیل کا بیان ہے کہ پندرھویں رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے''۔(اصلاح المساجد ۱۳۳ مترجم)

جواب: اولاً: وما توفیقی الا باللہ، گذشتہ اوراق میں ہم نے اس بارے میں نبی مکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے یہ بات بیان کی ہے کہ اس ماہ اور اس رات کو فضیلت حاصل ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اس بات کا انکار کیا انہوں نے ان روایات کی اسناد پر کم غور وفکر کرنے اور ان کے تعدد طرق کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کیا ہے جبکہ اگر ان روایات کے تعدد طرق کسی بھی اُصول حدیث سے واقف انسان کے سامنے رکھے جائیں تو وہ کبھی بھی اس کا انکار نہیں کرے گا اور پھر اسی کتاب پر ناصر الدین البانی نے اس کے حاشیہ میں بھی اس کی تردید کردی وہ لکھتا ہے: ''یہ حکم مطلق طور پر صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اور اسی سے اس بارے میں ہم نے گذشتہ اوراق میں نقل کیا ہے۔امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''واما ليلة النصف من شعبان ،فلها فضل ،وإحياؤها بالعبادة مستحب ولكن على الإنفراد ومن غير جماعة''۔

(الامر بالاتباع والنھی عن الابتداع، باب لیلة النصف من شعبان)

اور نصف شعبان کی رات جو ہے اس کو فضیلت حاصل ہے اور اس کی رات کو عبادت کے ساتھ زندہ کرنا مستحب ہے لیکن اکیلے اکیلے جماعت کے بغیر۔

ثانیًا: مذاہب اربعہ کے جلیل القدر فقہاء کے نزدیک بھی اس رات کو زندہ کرنا یعنی اس میں ذکر اذکار، نفل وغیرہ عبادات کرنا مستحب ہے، ہم اس بارے میں طوالت کے خوف سے اقوال ذکر نہیں کر رہے تفصیل کے طالب ''عبد الفتاح بن صالح قديش اليافعي . اليمن . صنعاء'' کی تالیف ''إحياء ليلتي العيد وليلة النصف من شعبان''۔''المبحث الأول'' کا مطالعہ کریں۔

ثالثًا: غیر مقلدین کے محدثین وآئمہ نے بھی اس رات کی فضیلت کو تسلیم کیا ہے جس کے بارے میں ماضی قریب کے ان کے محدث وامام کا قول تو مذکور ہو چکا مزید ہم ان کے دو بزرگوں

کے اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

نمبر(1)

غیر مقلدین کے امام ومحدث عبد الرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ''أعلم أنه قد ورد في فضيلة النصف من شعبان عدة أحاديث مجموعها يدل على أن لها أصلا'' آگے چند روایات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

'' فهذه الأحاديث بمجموعها حجة على من زعم أنه لم يثبت في فضيلة ليلة النصف من شعبان شيء والله تعالى أعلم''۔ (تحفۃ الاحوذی ۳/۳۶۵۔۳۶۷)

(پس باعتبار مجموعی یہ احادیث اس پر حجت ہیں جو یہ خیال کرتا ہے کہ نصف شعبان کی فضیلت میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے)

نمبر(2)

غیر مقلدین کے مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

شب برات کا روزہ

سوال: ماہ شعبان کی چودھویں یا پندرھویں روزہ رکھنا یا تین روزے تیرھویں۔ چودھویں، پندرھویں تاریخ میں رکھنے جائز ہیں، یا نہیں۔بعض کہتے ہیں یہ بدعت ہے اور لفظ بدعت کی اصل تحقیق کیا ہے؟

جواب: شبرات کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ چنانچہ مشکوۃ وغیرہ میں حدیث موجود ہے۔اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل درست ہے۔ ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کا روزہ بھی حدیث میں آیا ہے بدعت کی تعریف رسالہ رد بدعت میں کی گئی ہے۔(فتاوی اہلحدیث ۲/۲۱۸)

یہاں غیر مقلدین کے مجتہد العصر صاحب نے شب برات کے روزہ کو جو افضل قرار دیا ہے یہ اس

بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک شب برات کو فضیلت حاصل ہے ورنہ اس کا روزہ رکھنا افضل کیسے؟

ور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مشکوۃ کی جس روایت کو ضعیف کہہ کر غیر مقلدین کے محدث صاحب فضائل اعمال میں اس پر عمل کو درست قرار دے رہے ہیں وہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں صرف روزہ رکھنا ہی نہیں بلکہ رات کے قیام کا بھی ذکر ہے تو یہ بات بھی ان کے نزدیک درست ٹھہری کہ اس رات میں قیام کرنا بھی افضل ہے کیونکہ اگر اسی روایت کے تحت روزہ رکھنا افضل ثابت ہوتا ہے تو رات کو نماز پڑھنے یعنی قیام کرنے کا حکم بھی اسی میں ہے تو اس کے تحت وہ بھی نہ صرف درست ہوگا بلکہ افضل بھی ہوگا۔

دوسرا غیر مقلدین کے مجتہد العصر صاحب کی اس تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک نصف شعبان کے دن کا روزہ اور رات کا قیام بدعت و ناجائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

قارئین کرام! ان عباراتِ اکابرینِ غیر مقلدین سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ اس رات کو فضیلت حاصل ہے، پس اس رات کی فضیلت کا انکار کرنا حقیقت میں حقیقت کا انکار کرنا ہوگا۔

ضروری گزارش:

قارئین کرام!

اولاً: ہمارے نزدیک یہ طریقہ نماز نہ تو سنت ہے اور نہ ہی شبِ برات اس کو پڑھنا ہی ضروری ہے بلکہ ہمارے نزدیک صرف جائز ہے کہ اگر کوئی اس کو فرض، واجب، سنت جانے بغیر پڑھتا ہے تو اس کے پڑھنے والے پر ہم نکیر نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی اس طریقہ کو ضروری نہ جانتے ہوئے اس رات میں اس طریقہ سے اللہ تعالی کی رحمت کی اُمید رکھتے ہوئے اس نماز کو پڑھتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ اللہ تعالی کی رحمت سے ثواب کا اُمیدوار ہوگا۔

ثانیاً: وہ لوگ جو اس رات میں آتش بازی وغیرہ خلاف شرع کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں ان سے عرض ہے کہ اس رحمت اور برکت والی رات میں اللہ تعالی کی نافرمانیاں کرنے کی بجائے اپنے خالق حقیقی کے سامنے سربسجود ہوں اور اس رات میں اور کسی بھی وقت فضولیات اور

خلاف شریعت افعال میں ملوث ہو کر اپنے خالق و مالک کی ناراضگی کو حاصل نہ کریں اور حرام و ناجائز کاموں سے خود بھی بچیں اور اپنے بچوں کو بالخصوص ایسے افعال سے منع کریں اور ایسے کاموں کے لیے ان کو پیسے دے کر خود اس حرام یا خلاف شرع کام میں معاون نہ بنیں اور گناہ میں تعاون کر کے خود بھی گناہگار نہ ہوں۔

اللہ تعالی ہم سب کو ہمیشہ ناجائز و حرام افعال سے بچنے اور نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم الامین